ہو کر ریٹائر ہوئے، سرکاری ملازمت کے باوجود خاندانی اثر اور اپنی فطرت سلیم کی وجہ سے ہمیشہ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور دینی و ملی کاموں سے دلچسپی لیتے رہے، ریٹائر ہونے کے بعد گو صحت خراب رہنے لگی تھی، مگر لکھنؤ میں جتنے سنجیدہ، علمی، ادبی اور مذہبی کام ہوتے تھے ان سب میں وہ پوری دلچسپی سے حصہ لیتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء، فرنگی محل، انجمن ترقی اردو، انجمن اصلاح المسلمین کرامت حسین کالج، ان سب اداروں کے وہ سرگرم ممبر رہے، اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی اودھ کے دیندار شرفار کی یادگار تھے، ادب و مطالعہ کا بھی پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے انکی وفات پر جو مختصر مگر پر اثر مضمون "نازبردار بھائی" لکھا تھا، جو اس کتاب میں بھی شامل ہے، اس سے ان کی زندگی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، کتاب میں ان تمام مشاہیر اور اہل تعلق کے تعزیت نامے بھی شامل ہیں، جو مولانا دریابادی یا ان کے پسماندگان کو لکھے گئے، مولوی عبدالمجید صاحب کی زندگی مختلف حیثیتوں سے دوسروں کے لیے نمونہ تھی اس لیے اس کا مطالعہ عام ناظرین کے لیے بھی فائدہ سے خالی نہیں،

انیس زندگی

محمد انیس الرحمن صاحب (ایڈوکیٹ) صفحات ۲۲۶ کتابت و طباعت بہتر، ناشر دانا اکیڈمی، شنکر بلڈنگ اے۔ ایم ۳۲ فریر روڈ، کراچی ۱

عورت انسانی زندگی کی آبرو اور اسکی زینت ہے، مگر ہماری تہذیب نے اسے اسکے مقام عفت و عصمت سے نیچے گرا دیا، اور اس حمام میں مصر اور روم و ایران کی قدیم مادی تہذیبیں اور جدید مادی تہذیب سب ننگی نظر آتی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانہ میں عورت کو محض ایوان تعیش کی زینت سمجھا، اس پہلو سے مادی تہذیب کا دامن ہمیشہ داغدار رہا، لیکن اسلام نے اسکو جو مقام عطا کیا ہے اگر اسکو ملجائے تو نہ صرف ہماری گھریلو بلکہ ہماری سوسائٹی کی بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں، اس کتاب میں مصنف نے اس موضوع پر تین حیثیتوں سے بحث کی ہے (۱) شادی کو لازمی قرار دیا جائے (۲) ایک شادی پر ہر شخص کو مجبور نہ کیا جائے (۳) غیر صحت مند جوڑوں کو افزائش نسل سے روکا جائے، پچھلی بحث کو چھوڑ کر کہ اسمیں اختلاف کی گنجائش ہے پہلے دونوں مسئلوں پر سنجیدہ اور مدلل گفتگو کی ہے، اور ایک شادی کے لازمی نظریہ کو غلط ثابت کیا ہے، کتاب مطالعہ کے لائق ہے۔

م - ج

جلد ۹۰۔ ماہ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۲ء عدد ۶

مضامین

شذرات

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی شر سے خیر کا پہلو پیدا کر دیتا ہے۔ "خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما در آں باشد"۔ مشہور مقولہ ہے، چین کا حملہ بھی اسی قسم کا شر ہے، اگر ہم چاہیں تو اسکے ذریعہ بہت کچھ فوائد حاصل کر سکتے ہیں، اور اپنی کمزوریوں کو دور کر سکتے ہیں، اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قومی اتحاد و یکجہتی جو بڑی مشکل سے حاصل ہو سکتی تھی خود بخود حاصل ہو گئی، اور ہندوستان کی ساری سیاسی پارٹیاں اور مذہبی فرقے اپنے اختلافات، مطالبات اور شکایتیں بھلا کر ملک کے دفاع پر متحد ہو گئے، ضرورت ہے کہ اس عارضی اتحاد کو پائیدار اور مستقل بنانے کی کوشش کیجائے۔ اس کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ اس راہ میں سب سے بڑا مسئلہ مذہبی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کا ہے، انھوں نے جس متحدہ آواز سے وطن کی آواز پر لبیک کہا ہے اور پوری قوم جس طرح ملک کے دفاع کے لیے متحد ہو گئی ہے، اسکی مثال ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں ملتی، اور ہم کو خوشی ہے کہ اس میدان میں مسلمانوں کا قدم کسی سے پیچھے نہیں ہے، اس لیے حکومت اور اکثریت دونوں کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی انکی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا ثبوت دیں، یہ وقت شکایتوں اور حقوق طلبی کا نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کے اس جذبہ کا پورا اعتراف کرنا چاہیے اور وہ امتیازی سلوک ختم کر دینا چاہیے جس سے ان میں غیریت کا احساس پیدا ہو، خصوصاً فرقہ پروروں کو اپنا دل آزار رویہ بالکل ترک کر دینا چاہیے، جب سیلاب آتا ہے تو اس سے بچنے کے لیے حشرات الارض اور موذی جانور تک آپس میں مل جاتے ہیں، فرقہ پروروں کو انہی سے سبق حاصل کرنا چاہیے، اس وقت ہندوستان کو قومی اتحاد و یکجہتی اور تمام طبقوں کی مادی و اخلاقی امداد کی ضرورت ہے، اس لیے ان سب کا فرض ہے کہ وہ اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں اس کیلئے وقف کر دیں اور جو چیزیں اس راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی اور ملک میں بے اعتمادی پیدا کرنے والی ہوں انکا سختی سے تدارک کیا جائے۔

ایسے نازک وقت میں جب بیرونی دشمنوں کا مقابلہ ہو، آپس کے روٹھے ہوئے مل جاتے ہیں، کاش ہندوستان اور پاکستان بھی اپنے اختلافات بھلا کر چین کے مقابلہ میں متحد ہو جاتے، گو سیاسی تقسیم نے دونوں کو دو ملک بنا دیا ہے اور خواہ ان میں کتنے ہی اختلافات ہوں اس حقیقت سے نہیں انکار کیا جا سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی جسم کے ٹکڑے ہیں، ان کی تاریخ، تہذیب، نسل اور قومیت بڑی حد تک مشترک ہے، انکی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ ان کا دفاع ایک دوسرے کی اعانت کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور وہ ایک دوسرے کو نظر انداز کر کے بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، چین کے حملہ نے یہ حقیقت ایسی واضح کر دی ہے کہ جن سنگھ تک ہند و پاک میں صلح و صفائی کی ضرورت ماننے پر مجبور ہو گئی ہے اس لیے دونوں میں مصالحت کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا، دیر سے سہی مگر ایک نہ ایک دن دونوں میں صلح ہو کر رہے گی، اس لیے جو بات ہونے والی ہے اس کو ایسے وقت میں کیوں نہ کیا جائے جس سے دونوں میں زیادہ اخلاص و اعتماد پیدا ہو، اس کے سیاسی فوائد سے قطع نظر، ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو آئے دن کی مشکلات سے نجات مل جائے گی۔

مسلمانوں کے مذہبی اختلافات نے ہمیشہ انکی قوت کو نقصان پہنچایا ہے، بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ انکے سیاسی زوال میں بھی کسی حد تک اس کو دخل ہے، اس کے باوجود ان کو عبرت حاصل نہیں ہوتی، فروعی اختلافات سے کسی مذہب کے پیرو بھی خالی نہیں ہیں، اور ان کے بدولت ایک زمانہ میں بڑے بڑے معرکے رہ چکے ہیں، مگر اب اس قسم کی ہنگامہ آرائی کا زمانہ ختم ہو چکا، چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ کسی مذہبی فرقے میں یہ ہنگامے نہیں پائے جاتے، مگر ان کا ایک طبقہ اب تک اپنی گرمیٔ بازار کے لیے اس کو زندہ کیے ہوئے ہے، اس سلسلہ میں مغربی پاکستان میں جو طوفان برپا ہے اور جس سطح پر فریقین میں جنگ ہو رہی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے، لطف یہ ہے کہ اہل سنت کے کسی طبقہ میں بھی عقیدہ کا کوئی ایسا بنیادی اختلاف نہیں ہے جس کا تعلق کفر، شرک یا فسق سے ہو، یہ اختلافات محض فروعی ہیں اور انکی حیثیت بھی نزاع لفظی سے زیادہ نہیں ہے، اس کے باوجود کفر سازی اور شرک نوازی کا ایک طوفان برپا ہے۔

یہ اختلافات کوئی نئے نہیں ہیں، صدیوں سے چلے آرہے ہیں، خود ہندوستان میں ان پر اتنے تقریری اور تحریری مناظرے اور مباحثے ہوچکے ہیں کہ انکے لٹریچر سے ایک پورا کتبخانہ مرتب ہوسکتا ہے، مگر کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو اسکے عقائد سے باز نہ رکھ سکا، اسلیے اب اس قسم کے ہنگاموں سے مسلمانوں میں تفریق و انتشار پھیلانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے، مسلمانوں کے تقریباً تمام فرقوں خصوصاً اہل سنت کے تمام طبقوں میں ایسے بنیادی متفقہ عقائد موجود ہیں جو اسلام اور ایمان کیلئے بالکل کافی ہیں، انکو چھوڑ کر فروعی اور اختلافی مسائل کو چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہے، ضرورت اسکی ہے کہ ان کو مطلق نہ چھیڑا جائے اور کسی فرقہ کو کفر و شرک اور فسق و بدعت کا ملزم اور سب وشتم کا نشانہ بنایا جائے، اور بدعتی، وہابی، مشرک اور قبر پرست وغیرہ کے القاب ترک کردیے جائیں ہر فرقہ کے عقائد اور انکی تحریروں اور عبارتوں کی تشریح و تاویل میں اسی کا بیان صحیح مانا جائے، اس سے بڑی حد تک اختلافات ختم یا کم سے کم بہت ہلکے ہو جائیں گے، یہ مداہنت یا مصلحت پرستی نہیں بلکہ شرعی حکم بھی یہی ہے کہ کسی مسلمان کو کافر و مشرک بنانے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں کو اس بارہ میں اور بھی محتاط ہونا چاہیے، جن کے نزدیک سارے اہل قبلہ مسلمان ہیں۔

اس قسم کے اختلافات اور ہنگاموں سے علما کے وقار کو بڑا نقصان پہنچا ہے، اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں انکی ہوا اکھڑتی ہے، یہ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ علما کے اختلافات کا فیصلہ دنیاوی عدالتیں کرتی ہیں، اور قیام امن کیلئے پولیس کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی جو منصب علما کا تھا وہ انھوں نے دنیاوی عمال کے حوالے کردیا ہے، اس سے قطع نظر آج جبکہ اسلام کا مقابلہ کفر و الحاد اور مادیت و دہریت سے ہے، آپس کے اختلافات میں اپنی قوت ضائع کرنا دین و ملت کا بہت بڑا نقصان ہے۔

گذشتہ مہینے حکومت ہند کی سائنسی تحقیقات اور ثقافتی امور کی وزارت کیجانب سے افغانستان کے مشہور بزرگ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری المتوفی ۴۸۱ھ کی نوسو سالہ برسی منائی گئی تھی جس میں مختلف اہل علم کو مقالات پڑھنے کی دعوت دیگئی تھی، دارالمصنفین کیجانب سے ہمارے رفیق سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے شرکت کی اور شیخ الاسلام پر انگریزی میں ایک مقالہ پڑھا، افغانستان کے سفیر نے بھی مقالہ پڑھا تھا اور ایران کی سفارت کیجانب سے ایک تقریر ہوئی تھی، اس قسم کی تقریبات اس حیثیت سے بہت مفید ہیں کہ اس کا اثر ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے تعلقات پر بہت اچھا پڑتا ہے،

مقالات

شاہ محمد غوث گوالیاریؒ

از

جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب حیدر آباد (مغربی پاکستان)

(۵)

شخصیت کی عظمت کا اندازہ اس کے وابستگان سے بھی ہوتا ہے، اس حیثیت سے شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۷ھ) کی ارادت و عقیدت ہی شاہ محمد غوثؒ کے علو مرتبت پر دال ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے:-

"و میاں شیخ وجیہ الدین عالم ربانی، متبحر مدرس، غاشیۂ اطاعت او بر دوش کشیدہ و ایں حمل دال بر کمالات و کرامات شیخ است[1]"

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

"و بسیار از مشائخ نامی بزرگ دیگر در ممالک دہلی و گجرات و بنگالہ از عطف دامن او بر خاستہ، و آثار کمال او ہنوز در ہند باقی ماندہ[2]"

زمانۂ ریاضت ہی سے شاہ محمد غوثؒ نے بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، شاہ

[1] عبد القادر بدایونی = منتخب التواریخ، ج ۳ ص ۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۹ء [2] ایضاً ص ۶

فضل اللہ شطاری لکھتے ہیں :-

"اور اس ریاضت کے زمانے میں اکثر خلفاء و مرید، طالب و خادم، نعمت سے مستفید و بہرہ مند ہوئے، مثلاً شیخ جمال، محبوب اللہ، و خواجہ معین الدین خراباتی، و شیخ ناصر قتال، و شیخ نور طبقاتی شیخ نعمت اللہ صوفی و شیخ قاضی شطاری، و شیخ احمد دانا، شیخ احمد سیاہ، خواجہ عالم حاجی، و شیخ جلال عبد القاہر، و شیخ فرید سوختہ، و شیخ مبارک مجذوب، و شیخ ماہ عاشق و شیخ عطاء اللہ گنج نشین، و شیخ داؤد موحد، و شیخ حسن صاحب دعوت، اور ان کے علاوہ بے شمار مرید ہوئے، جن کی تعداد حد سے زیادہ ہے، جس کا پایان و حساب نہیں،"[1]

جب شاہ محمد غوثؒ گوالیار میں مسند رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے تو یہاں بھی بے شمار حضرات مستفیض ہوئے، چنانچہ شاہ فضل اللہ شطاری لکھتے ہیں :-

"نیز اکثر خلفاء و خدما، صاحب نعمت و مستعد دولت اسی جگہ سے بہرہ مند ہوئے ہیں، چنانچہ شیخ سیف الدین سیف اللہ، شیخ ارزانی عرف شاہ بداللہ و شیخ ضیاء اہل اللہ، و شیخ ابو الخیر خراسانی و سید فتوح اور اللہری، و شیخ ناظر فیاض و شیخ تاج الدین و عزت نارنولی و سید مبارک صوفی و سید احمد عاشق و شیخ سعد اللہ اور ان کے مثل بسیار خلق عالم صورت سے عالم معنی کو پہنچی ہے اور فائدہ پایا ہے، ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ اس راہ میں قدم رکھا ہو اور کوئی دم سوائے حق کے رہا ہو، بیشک جو کوئی غوث کے سایۂ عنایت میں آگیا اس کا مستغاث کسی شے میں نہ رہا، اس کا استغاثہ اس کی استعانت میں تھا. واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔"[2]

راقم کے پاس ایک قدیم مخطوطہ ہے، اس میں شاہ محمد غوث گوالیاری کے ایک سو سے زیادہ اجلہ مریدین کے اسماء گرامی لکھے ہیں، جن کو بخوف طوالت نقل نہیں کیا جاتا ہے،

۱؎ فضل اللہ شطاری: مناقب غوثیہ (اردو) ص ۲۳ مطبوعہ آگرہ ۱۹۳۳ء ۲؎ ایضاً ۳۳

صاحب تاریخ الاولیاء، سید امام الدین احمد نے بھی شاہ محمد غوث کے چند ممتاز خلفاء کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"دکن و گجرات میں آپ کے تشریف لانے سے بڑے بڑے علماء نے فیض پایا ہے، چنانچہ آج تک دکن و خاندیس آپ کے فیض سے مملو ہے، خلفاء آپ کے بہت ہیں، چنانچہ شیخ لشکر محمد عارف باللہ برہان پوری، شیخ وجیہ الدین گجراتی، شیخ صدر الدین ذاکر، شیخ ولی محمد، شیخ دود اللہ شطاری شیخ میاں ابراہیم سرہندی، میاں تان سین، سید کالے شطاری، شاہ منجھن، شیخ اکھو وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔"[1]

ہم مثال کے طور پر صرف چند خلفاء کے حالات تحریر کرتے ہیں :-

شیخ وجیہ الدین احمد علوی | مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ وجیہ الدین کے حالات زندگی کے اجمالی حالات یہ لکھے ہیں :-

"ولادت او در محرم ۹۱۱ھ احدی عشر و تسعمائۃ واقع شد، مولد او چانپانیر است وہاں جا نشو و نما یافت و در بلدۂ گجرات فنون متداولہ از ملا عماد طارمی کسب نمود و رسم ارادت بخدمت شیخ قاضی قدس سرہٗ بجا آورد و چون محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ بہ احمد آباد تشریف فرمود، شیخ وجیہ الدین در جمال ہمایون محویتے بہم رسانید و در سایۂ تربیت شیخ کار تمام گردید۔"[2]

مولانا محمد غوثی لکھتے ہیں :-

"آپ شیخ نصر اللہ کے بیٹے تھے، مولد اور مرقد، دونوں احمد آباد (گجرات) میں ہیں، آپ دونوں جہاں کے قطب، دونوں جہاں کے حقائق کے مرکز، حصولی اور حضوری علم کے مالک، اکتسابی اور وہبی علم کے خداوند، کتابی منقوش اشیاء کے رموز داں،

۱؎ امام الدین احمد: تاریخ الاولیاء، ص ۴۴-۳۴۳ مطبوعہ بمبئی ۲؎ غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکرام ص ۱۹۶

اور اسرار لوح محفوظ کے رازدار تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے علمی صورت سے نکل کر ہجری سنہ ۹۰۲ھ (نوسو دو) میں عنصری پیکر کے وطن کو اپنی ولادت کے جلوے سے منور فرمایا اور ولادت کے بعد پانچویں سال کے آغاز سے اخیر تینتیس [۳۳] سال تک آپ طرح طرح کے علوم متداولہ اور غریبہ کی تحصیل میں مشغول رہے، یہاں تک کہ ساٹھ علم سے زیادہ ہی زیادہ آپ کو حاصل ہوگئے، جب مجازی کثرت آباد سے حقیقی وحدت گاہ کو آخری سفر ہوا تو تاریخ انتیسویں [۲۹] صفر تھی اور ہجری سنہ ۹۹۷ھ نوسو ستانوے تھا، اس وقت تک آپ تمام علوم کے درس دینے میں مشغول رہے، اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی بخشش آپ کے اوقات عزیز کے شامل حال رہی، اس باسٹھ سال کی مدت میں آپ کے فیض رسانی کی بدولت بہت سے ذی استعداد لوگوں نے آپ کی شاگردی سے خلعت استادی پایا اور بلند ہمت عونیوں نے آپ کی دلنشین تلقین سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔" [۱]

ملا عبدالباقی نہاوندی بھی شیخ وجیہ الدینؒ سے فیض یاب تھے، مآثر رحیمی شیخ موصوف کی حیات میں تالیف کی تھی، اس میں لکھتے ہیں:۔

"میاں وجیہ الدین فاضلے دانشمند و ملکے خردمند است و شاگرد بیواسطہ عماد طارمی بود کہ از جملہ شاگرداں و تلامذہ علامہ زماں و وحید دوراں مولانا جلال الدین دوانی است کہ از غایت شہرت احتیاج بتعریف و توصیف ندارد، و اکثر از ملایان متبحر ہندوستان شاگردیان مولی الیہ اند۔ و بجامعیت او درمیان فضلائے ایں عصر کسے بہم نمی رسد، و در مجاہدہ نفس و ترک لذات دنیاوی نیز سعی بکمال کردہ، تزکیہ نفسے فی الجملہ او را بہم رسیدہ بود، و احوال خیر مآل میاں مذکور از غایت شہرت و نہایت عالمگیری از

[۱] محمد غوثی: گلزار ابرار (اردو) ص ۴۰۵ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ

تفصیل آں بازدارد۔" [۱]

ملا عبدالقادر بدایونی بھی شیخ وجیہ الدین کے زمانے میں موجود تھے، شیخ موصوف کے انتقال کے بعد، ان کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"..... یہ علوی نسب سے تعلق رکھتے تھے لیکن اپنے نسب کو انھوں نے مسافر ہونے کی وجہ سے شہرت نہ دی۔ اپنے زمانے کے بڑے عابد و متقی عالم تھے، شریعت کی نہایت پابندی کرتے تھے۔ گوشہ نشینی ان کا شعار تھا۔ ہمیشہ دینی علوم کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے، تمام عقلی اور نقلی علوم پر قدرت و عبور حاصل تھا۔ چنانچہ "صرف ہوائی" سے لیکر "قانون" "شفا" "شرح مفتاح" اور "عضدی" جیسی کتابوں سے شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس پر انھوں نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو، ایک مخلوق ان کے علمی افادہ سے فیض اٹھاتی رہی۔" [۲]

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"ارادت کا تعلق تو کسی اور سے تھا لیکن شیخ محمد غوثؒ سے تربیت و ارشاد حاصل کیا تھا، اور آداب طریقت میں ان کے پیرو تھے۔ انہی کے پاس سلوک کی تکمیل کی تھی، صوفیانہ مشرب سے بڑا ذوق اور مناسبت تھی۔" [۳]

"واقعہ تکفیر" کے ذیل میں شیخ محمد غوثؒ سے شیخ وجیہ الدینؒ کے سبب ارادت و عقیدت کا تفصیلی جائزہ لیا جا چکا ہے، متعلقہ قسط کی طرف رجوع کریں۔

مولانا عالم گل بہاریؒ کے تذکرے کے حوالے سے مولانا محمد غوثیؒ نے شیخ وجیہ الدین کا یہ واقعہ نقل کیا ہے، جو ۹۸۳ھ میں پیش آیا تھا۔

[۱] عبدالباقی نہاوندی: مآثر رحیمی ص ۱۸–۱۷، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۴ء [۲، ۳] عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ (اردو) ص ۵۸۴

شیخ وجیہ الدین نے مولانا عالم گل بہاری سے فرمایا :- جن مقدمات پر الٰہی حقائق کا دریافت اور کشف موقوف ہے، ان مقدمات کی تحصیل کا شوق میرے دل میں بھی اس وقت پیدا ہوا تھا کہ جب درس و تدریس میں مشغول تھا، ناگاہ ایزدی مشیت جس کی ہر ایک مقدرشے میں سو سو نکتے اور نیرنگیاں ہیں، حضرت غوث الرحمٰن کو گوالیار سے گجرات کی طرف کھینچ لائی یہ صورت مجکو حضرت غوث الرحمٰن کی شرف پابوسی سے مشرف ہونے کا باعث ہوئی اور بہت تھوڑے عرصہ میں ممدوح کی کیمیائی پرورش کے ذریعہ میرا اسلام تانبے کی طرح کندن سونا بن گیا، رسمی عقائد کی قید سے نکل کر حقیقی ایمان کی بہشت میں جہل قدمی کرنا نصیب ہوا، اور چند روز بعد خلافت مطلق کا خلعت پاکر سرفراز ہو گیا، اور پالیا جو کچھ پاس نہ تھا اور جو کچھ پاس تھا پھر وہ نہ ملا - بیت

انچہ حق بہر بندگان آراست
آرزو آں خیاں نداند خواست[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی لکھا ہے :-

انتساب واعتقاد وے درتصوف بشیخ محمد غوث بود اگرچہ مرید جائے دیگر بود۔[2]"

اور اس "انتساب" اور "اعتقاد" پر شیخ وجیہ الدین کو ناز تھا، ملفوظات میں لکھا ہے :-

"می فرمودند کہ قبل از ملاقات شیخ، ہیچ خبر از خدا نداشتم، مرا کہ بخدا رسانید شیخ محمد غوث بود رضی اللہ عنہ۔[3]

مولانا عبدالحق مرحوم نے مقصود المراد کے حوالے سے لکھا ہے :-

---

[1] محمد غوثی : گلزار ابرار (اردو) ص ۲۰۴ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ [2] عبدالحق محدث : اخبار الاخیار ص ۱۶۴ مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ

[3] ملفوظات شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی ۔ فارسی قلمی (قبل ۹۹۸ھ) اسلامیہ کالج لائبریری، پشاور۔

"مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے) کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی، اور علم حقائق سکھایا اور باوجودیکہ انھوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کیے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے کہ اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ہوتا، اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہ ہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہو گئی"[1]

شیخ وجیہ الدین کے ملفوظات میں لکھا ہے :-

"دیگر فرمودند" وقتے بخواب دیدم پیر دستگیر شاہ قاضن را کہ زیر درخت آسودہ اند فقیر نیز آں جا حاضر شدم" فرمودند کہ کیستی ؟" گفتم "فلاں کس مرید شما" فرمودند کہ "شمارا بایں درجہ کہ رسانید ؟" گفتم کہ "شیخ محمد غوث" فرمودند "بلے شیخ محمد غوث ایں چنیں مرد لیست"[2] (ملفوظات ۔ قلمی (پشاور))

اس واقعہ سے شیخ محمد غوث کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے :-

ولبس الخرقة من الشیخ قاضن	جب شیخ محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ
قدس سرہ ولما ورد الشیخ	گجرات میں وارد ہوئے تو شیخ وجیہ الدین
محمد غوث الکوالیاری صاحب	ان کے جمال میں گم ہو گئے اور ان ہی
الجواھر الخمسه بکجرات تلاشی	کے زیر سایہ طریقت کی انتہا تک پہنچے
الشیخ وجیه الدین فی جماله	طلبہ ان کے افادات عالیہ سے مستفید
ووصلك الی منتهی الطریقه	ہوئے اور مشرق و مغرب کو اپنی

---

[1] ڈاکٹر عبدالحق مرحوم : "اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام" ص ۲۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۳ء

فی ظلالہ و متع الطلبۃ بجلائل — برکتوں کے نور سے منور کر دیا۔

الافادات۔ و ملا مشرق العالم

و غربہ من لوامع البرکات[۱]

شیخ وجیہ الدین کو خرقۂ خلافت شیخ قاضن سے تو ملا ہی تھا، شیخ محمد غوث گوالیاری نے بھی خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور ان کا شمار آپ کے اجلہ خلفاء میں ہے، شیخ وجیہ الدینؒ کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ جو مولانا راشد برہانپوری کی ملکیت میں ہے، اس کے ترقیمے کی عبارت سے شیخ موصوف کی خلافت کی توضیح ہو جاتی ہے، لکھتے ہیں :۔

تمت ھذا الملفوظات شاہ وجیہ الدین الحق والدین الخلیفۃ الکامل المکمل للشیخ محمد غوث قدس اللہ سرھما و افاض علینا فیضھما۔ آمین آمین۔ آمین! (بحوالہ علمی نقوش مولفہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء)

جہانگیر نے بھی لکھا ہے :۔

شیخ وجیہ الدین، شیخ محمد غوث کے ایسے بلند رتبہ خلیفہ تھے جن پر خود مرشد کو فخر ہوتا ہے۔"[۲]

آئین اکبری میں ابو الفضل نے بھی شیخ وجیہ الدینؒ کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، شیخ وجیہ الدین متبحر عالم اور کثیر التصانیف بزرگ تھے، کتابوں کے بے شمار شرح و حواشی لکھے ہیں، ڈاکٹر زبیر احمد نے مندرجہ ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں :۔

(۱) حاشیہ علی تفسیر البیضاوی (۲) شرح نخبۃ الفکر (۳) حاشیہ علی شرح الوقایہ، (۴) حاشیہ علی التلویح (۵) حاشیہ علی اصول البزدوی (۶) الحقیقۃ المحمدیہ۔

---

۱ غلام آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۵۴ (۱۳۰۳ھ) ۲ نورالدین جہانگیر: تزک جہانگیری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء ص ۵۰

(۷) حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن حاجب (۸) الحاشیہ علی التجرید (۹) الحاشیہ علی شرح العقائد للتفتازانی (۱۰) الحاشیہ علی الحاشیۃ القدیمہ (۱۱) حاشیہ علی شرح الجغمینی (۱۲) حاشیہ علی شرح الجامی (۱۳) شرح ارشاد النحو (۱۴) حاشیہ علی المطول (۱۵) حاشیہ علی مختصر المعانی۔[۱]

مولانا محمد غوثیؒ نے بھی مندرجہ ذیل حواشی و شرح کا ذکر کیا ہے :۔

(۱) حاشیہ فوائد ضیائیہ (۲) شرح ارشاد قاضی (۳) شرح ابیات منہل و امینی، (۴) حاشیہ شرح تجرید (۵) حاشیہ قطبی (۶) شرح شمسیہ (۷) حاشیہ شرح کلمۃ العین، (۸) شرح جام جہاں نما (۹) شرح کلید مخازن من تصنیف غوث الاولیاء[۲] وغیرہ وغیرہ۔

وفات مولانا محمد غوثیؒ نے لکھا ہے کہ شیخ وجیہ الدینؒ نے ۲۹ صفر ۹۹۸ھ میں احمد آباد (گجرات) میں وفات پائی[۳]، ملا عبد القادر بدایونی نے سنہ وفات ۹۹۸ھ لکھا ہے[۴]، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی ۲۹ صفر ۹۹۸ھ لکھا ہے[۵]، اور یہی سنہ ڈاکٹر عبد الحق مرحوم[۶] اور حکیم شمس اللہ قادری[۷] نے بھی تحریر کیا ہے، مگر موخر الذکر نے تاریخ ۱۹ صفر لکھی ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے وجیہ الدینؒ سے سنہ وفات نکالا ہے[۸]، اور مولانا رحمان علی نے جنت الفردوس نزلا سے[۹]، مگر ان دونوں مادوں سے سنہ وفات نہیں نکلتا، غالباً مترجمین سے کہیں سہو ہو گیا ہے۔

شیخ لشکر محمد عارفؒ آپ کا شمار بھی شیخ محمد غوثؒ کے اجلہ خلفاء میں ہے، آپ ملک راجن ابن ملک پیر ابن ملک رکن قریشی کے فرزند رشید تھے، مضافات گجرات میں قصبہ ملاسہ میں دسویں صدی ہجری کے آغاز میں پیدا ہوئے، والدہ نے تیرہ روز بعد اور والد نے چھ برس بعد وصال فرمایا، پرورش دادا نے کی،

---

۱ ڈاکٹر زبید احمد: کنٹریبیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۴۵ء ص ۴۰۹ ۲ محمد غوثی: گلزار ابرار (اردو) ص ۴۰۵ ۳ ایضاً ص ۴۰۵ ۴ عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ (اردو) ج ۳ ص ۵۰۵ ۵ غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان ص ۴۴ ۶ عبد الحق: اردو کی نشو و نما الخ ص ۳۰ ۷ شمس اللہ قادری: اردوئے قدیم مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۲۵ء ص ۴۴ ۸ منتخب التواریخ (اردو) ج ۳ ص ۵۰۵ ۹ مولانا رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ کراچی، ص ۵۴۰ (اردو)

اور ابتدا سن شعور میں قاضی محمود بیرپوری کے دامن سے وابستہ ہوگئے،

سولہ برس کی عمر میں، ہنبائے حقیقی کی تلاش میں نکل پڑے، طلب صادق تھی، اس لیے بحر المعارف شیخ قطب جہانیاں ذاکر نہروالہ کی خدمت میں رسائی ہوگئی، شیخ موصوف نے دو سال تک روحانی تربیت کی،

۹۵۱ھ میں احمد آباد (گجرات) میں شیخ محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دامن طریقت سے وابستہ ہوگئے، جب شیخ موصوف نے گوالیار کی طرف مراجعت کی تو آپ نے ہمراہ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر شیخ محمد غوث گوالیاریؒ نے فرمایا:-

"عارف! ہم تم کو اپنی جگہ طالبان معرفت کی ہدایت کے واسطے اس صوبے میں چھوڑتے ہیں"، چنانچہ بتعمیل حکم مرشد کم و بیش تیس سال تک احمد آباد میں رہنے کی توفیق ہوئی، آخر ہجری ۹۸۲ھ میں برہان پور (خاندیس) کی طرف ارادہ کرکے روانہ ہوگئے"[۱]

۹۹۳ھ تک رشد و ہدایت میں مصروف رہے، اور ۲ر شوال سنہ مذکور میں رحلت فرمائی، آپ کے نام ہی سے آپ کا سنہ وفات (۹۹۳ھ) نکلتا ہے،

لشکر محمد عارف کی ایک صاحبزادی بڑی فاضلہ تھیں، درس دیا کرتی تھیں، عبد الرحیم خان خاناں اور اس کے بیٹے داراب خاں نے لشکر محمد عارف کے جلیل القدر خلیفہ شیخ عیسی جند اللہ سے درخواست کی کہ ہم بوبو راستی علیہا الرحمہ (دختر مذکور) کے درس سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور بہلیوں پر سوار ہوکر مع خانخاناں وغیرہ راستی پورہ پہنچے، حضرت موصوف لمعات و نزہتہ الارواح اور اسی پایہ کی اعلیٰ کتب تصوف بطرز شگفتہ و دلنشین پڑھانے میں شہرت رکھتی تھیں، درس جاری تھا، یہ لوگ کافی عرصہ تک اس روز

---

[۱] محمد غوثی: گلزار ابرار (اردو) ص ۲-۳۶۱

کے درس سے مستفید ہوئے، واپسی میں مسیح الاولیاء (شیخ عیسی) داراب خاں کی سواری کے رتھ پر اپنی خانقاہ میں تشریف لائے[۱]،

مسیح الاولیاء شیخ عیسی جند اللہ ابن شیخ قاسم سندھی قدس سرہ العزیز (م۔ ۱۰۳۱ھ) شیخ لشکر محمد عارف کے اجلہ خلفاء میں سے تھے، آپکے اسلاف کا وطن قصبہ پاتری (سندھ) تھا، ہمایوں کی لشکرکشی سے جب سندھ میں اختلال و بدنظمی پیدا ہوئی تو آپکے والد ماجد شیخ قاسم اور عم محترم شیخ طاہر محدث ۹۵۰ھ میں ترک وطن کرکے احمد آباد تشریف لے گئے[۲]، بقول اعجاز الحق قدوسی:-

شیخ قاسم اور ان کے بڑے بھائی شیخ طاہر محمد شاہ اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کرکے پہلے احمد آباد تشریف لائے اور انھوں نے اسی زمانے میں حضرت محمد غوث گوالیاری سے بیعت ہوکر چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے[۳]۔

شیخ عیسی جند اللہ کی ولادت ایلچپور (برار) میں ۵ر ذی الحجہ ۹۶۲ھ میں ہوئی[۴]، سقوط سلطنت برار کے بعد شیخ طاہر محدث مع شیخ عیسیؒ برہانپور تشریف لائے، والی خاندیس شاہ فاروقی نے محلات اور نقد و جنس پیش کی، سندھی مہاجرین بھی آپکے قریب ہی آباد ہوگئے، یہ آبادی آجتک سندھی پورہ کے نام سے مشہور ہے،

شیخ عیسی جند اللہ، شیخ یوسف بنگالی اور شیخ طاہر محدث سے علوم عقلیہ اور نقلیہ میں فارغ ہوکر عم محترم کے مشورہ پر خداطلبی کی راہ میں جادہ پیما ہوئے، غالباً ۹۸۲ھ میں گوالیار تشریف لائے اور حضرت شیخ محمد غوثؒ کے روضہ پر حاضر ہوکر روحانی لذتیں حاصل کیں[۵]، گوالیار سے اکبرآباد آئے، پھر یہاں سے حکیم عثمان بوبکانی کے حلقۂ درس سے مستفید ہونے کے لیے برہانپور تشریف لے گئے، مگر آتش شوق اس حلقۂ درس میں بھی نہ بجھی — ان ہی دنوں بازار میں شیخ لشکر محمد عارف کی نگاہ ان پر پڑگئی، آپ نے شیخ عیسی سے فرمایا[۶] "تم تو ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے"

---

[۱] طیب اللہ راشد برہانپوری: تذکرۂ اولیائے سندھ مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۵۶ء ص ۱-۵۲ [۲] شیخ اسمٰعیل فرحی: کشف الحقائق (قلمی) بحوالہ راشد برہانپوری ص ۱۳۱ [۳] عیسی جند اللہ: عین المعانی (قلمی) [۴] اعجاز الحق قدوسی: تذکرۂ صوفیائے سندھ مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۵۹ء ص ۱۵۶ [۵] تذکرۂ اولیائے سندھ، ص ۴۴ [۶] ایضاً ص ۳۵

اس ارشاد پر شیخ عیسیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک دو صحبتوں میں تزکیۂ نفس حاصل کیا، اور خود مسیح القلوب بن گئے، محمد قاسم فرشتہ فرطِ ارادت سے لکھتا ہے:-

دو عیسیٰ است فرخندہ در نسل آدم ۔ یکے ابن قاسم، یکے ابن مریم

شیخ محمد عیسیٰؒ کو تعلیم سے بڑا شغف تھا، چنانچہ ملا اسمٰعیل سے قرآن مجید پڑھا، شیخ طاہر محدث سے فقہ و حدیث میں تکمیل کی، شیخ مبارک سندھی سے اصول فقہ و علم کلام میں سند فضیلت حاصل کی، شیخ عثمان بودکانی سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کیا، شیخ فتح اللہ شیرازی سے ریاضی و عروض سیکھا، شیخ ابراہیم قاری سے تجوید و قرأت سیکھی اور شیخ لشکر محمد عارف سے علم لدنی میں کمال حاصل کیا، اس کے باوجود ہمیشہ کرامات سے گریز فرماتے تھے، اور اپنے شیخ طریقت سے لشکر محمد عارف کے بارے میں فرماتے:-

"جو لوگ حضرت شیخ لشکر عارف باللہ کی مجلس میں اولیاء اللہ کی کرامتوں کا ذکر کرتے تو آپ پسند نہ کرتے تھے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ مقربان خدا کی اس فضیلت کو باور نہیں فرماتے؟ فرمایا: اولیاء کی کرامت کا کیوں منکر ہونے لگا لیکن لوگ کرامت ہی کو اولیاء اللہ کا کمال سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے اور یہی مجھے پسند نہیں، کیونکہ کرامت تو ان کے روحانی قرب و فضیلت کے مقابلے میں ادنیٰ ترین درجہ ہے، پھر ادنیٰ چیز کو اعلیٰ مدارج پر فوقیت دینا ایک طرح سے ان بزرگوں کرام کی توہین ہے"[1]

شیخ عیسیٰؒ اپنے زمانے کے بلند پایہ عالم تھے، اجلہ علماء آپ کے درس سے مستفید ہوا کرتے تھے، آپ کی ان تصانیف سے آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے:-

(۱) روضۃ الحسینی (۹۸۹ھ) (۲) عین المعانی (۹۹۰ھ) (۳) انوار الاسرار (تفسیر قرآن حکیم) (۴) رسالہ جواہر پنجگانہ (۵) حاشیہ بر اشارۂ غریبہ کتاب انسان کامل (۶) شرح قصیدہ بردہ (فارسی) (۷) رسالہ قبلۃ المذاہب اربعہ (۸) حاشیہ بر شرح ضیائیہ (۹) فتح محمدی در علوم المتعلق بہ التفسیر

---

[1] تذکرۂ اولیاء سندھ، ص ۹-۴۸

(۱۰) تتمیم شرح مائۃ عامل (۱۱) رسالہ عقود (۱۲) ترجمہ اسرار الوحی (۱۳) رسالہ وحدت الوجود، (۱۴) رسالہ در بیان تعینات و حقیقت محمدیہ۔

شیخ عیسیٰ جند اللہؒ کا وصال ۱۰۳۱ھ میں ہوا،[1] (موصوف کے تفصیلی حالات گلزار ابرار (ص ۵۰۸ تا ۵۳۷) میں مطالعہ کیے جائیں)

شیخ علی شیر بنگالی آپ بھی شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلفاء میں ہیں، آپ تمام علوم نقلیہ و فنون عقلیہ سے فارغ تھے، نور الہدیٰ ابو الکرامات کی نسل سے تھے، جو شیخ جلال الدین مجرد کے اجلہ خلفاء میں تھے، شیخ علی شیر بنگالی شاہ محمد غوثؒ سے بیعت و عقیدت رکھتے تھے، شرح نزہۃ الارواح میں خود لکھا ہے کہ جب جوان ہوا تو حق پرستی اور خدا شناسی کے درد نے دل کو گدگدایا، طلب و شوق میں گھر سے نکل پڑا ہر ایک شناسائے درد سے اپنا درد کہتے، مگر مداوا نہ پاتے، بالآخر:-

ایک رات قصبہ اودھ میں اسی اندیشہ کے اندر غنودگی پیدا ہوئی اور اس حالت میں غوث الاولیا قدس سرہٗ کی مثالی صورت مشاہدہ کی، اس مشاہدے نے مجھکو فریفتہ کر دیا، اب ان آرزؤں کا ہجوم ہوا کہ بیداری میں دولت ملازمت حاصل کی جاوے، اسی اثناء میں خبر ملی کہ غوث الاولیاء آسودگان دہلی کی زیارت کے واسطے تشریف لائے ہیں، یہ سنکر بے تامل شہر دہلی کی طرف روانہ ہوا، جب موضع کیلوکھری میں پہنچا تو عالم بیداری میں وہی صورت نظر آئی، جو عالم مثال میں دیکھ چکا تھا، جب مدارج بیعت طے ہوئے تو مل گیا جس کی تلاش تھی، اور دیکھ لیا جو ملتا نہ تھا، اس کے بعد میں نے چند سال آپ کے خدمت گزاروں میں کھڑے ہو کر کچھ فیض حاصل کیا،[2]

شیخ علی شیر بنگالی کا انتقال ۹۷۰ھ کے کچھ بعد احمد آباد میں ہوا، خواب گاہ وہیں ہے۔

شیخ صدر الدین ذاکر مولانا محمد غوثی نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ

---

[1] گلزار ابرار (اردو) [2] ایضاً ص ۳۰۹

آپ شیخ شمس کے بیٹے ہیں، اور نام محمد ہے، زادبوم جاپانیر اور خوابگاہ بر ودرہ (بڑودہ) ہے آپ کے آبائے کرام سوداگری کے ذریعہ گزر اوقات کرتے تھے پچیس سال کی عمر میں ترک اور تجرید کی توفیق ہوئی، ۹۵۲ھ قطب الاقطاب غوث الاولیا، کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہوئے ....

جب آپ کے پیر بزرگوار نے گجرات سے گوالیار معاودت فرمائی تو آپ ہمراہ گئے۔ اور وہاں پر جواہر خمسہ کو تمام و کمال عمل میں لائے، بعدہٗ خلافت کا خرقہ اور تمام مشہور سلسلوں کا اجازت نامہ حاصل کرکے اپنے وطن میں رہنے کی اجازت لی، ہجری ۹۸۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔[1]

شیخ شمس الدین شیرازی | آپ کا لقب اور تخلص زندہ دل تھا، شیراز کے رہنے والے تھے، فرمانروایان فارس کی نسل سے تھے، جب حکومت بنی اعمام کے ہاتھ آئی تو آپ کے ساتھ انھوں نے اچھا سلوک نہیں کیا، چاروناچار والدہ کے مشورے سے ترک وطن کیا، والدہ نے دو نصیحتیں فرمائی تھیں:-

۱- اپنے دست بیعت سے ایسے بزرگ کا دامن پکڑنا جو زمانہ کا قطب اور غوث ہو،

۲- جب تک زندہ رہو واپس آنے کی کوشش نہ کرنا۔

چنانچہ آپ لباس قلندرانہ پہنکر عراق و عرب کی طرف روانہ ہوگئے، شہر شہر مرشد کامل کو تلاش کیا، وہاں سے جزیرہ دیوتک، یہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو غوث الاولیاء کے مرید تھے، انکی صحبت میں جذب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اسی اثنا میں آپ کو اطلاع ملی کہ شیخ محمد غوث ..... گوالیار سے ہجرت فرماکر احمد آباد تشریف لے آئے ہیں، ..... چنانچہ وہاں سے آپ احمد آباد پہنچے اور شرف بیعت حاصل کیا، تہذیب و تکمیل کے بعد آپ کو باشندگان صوبہ دکن کی رہنمائی کی اجازت ملی، مگر شیخ کی حیات میں آپ نے بیعت کرنے کی جرأت نہ کی، وفات کے بعد شیخ عبدالغفور نامی جوان صالح کو بیعت کیا تھا۔

مولانا محمد غوثی لکھتے ہیں کہ ایک سال درمیان دیگر شیخ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے

[1] گلزار ابرار (اردو)

گوالیار آیا کرتے تھے۔ راستہ میں فنڈو (مانڈو) میں مولانا موصوف کے مکان میں قیام کرتے تھے، مولانا موصوف علم تکسیر اور جفر میں شیخ شمس الدینؒ کے شاگرد تھے،

۹۸۶ھ سے گوالیار آنا ترک کردیا تھا، ۹۹۰ھ میں آپنے انتقال کیا،[1] شیخ عبدالغفور نے آپکے بعد اس سلسلے کو چلایا،

شیخ وجیہہ الدین وداداللہ شطاری | آپ شیخ معروف صدیقی کے بیٹے ہیں، اسم گرامی شیخ لاد ہے، ہمیشہ درویشانہ اور فقیرانہ بسر کی، آپکے اسلاف کا سلسلۂ نسب شیخ عبدالرحمن منعمنؒ تک پہنچتا ہے، جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے، شیخ وداداللہ سلسلۂ شطاریہ میں شیخ محمد غوثؒ سے بیعت تھے، کم و بیش بارہ سال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں رہ کر شطاری مشرب کے اشغال واذکار کا طریقہ اور اسکی دعوت کی سند لی اور انکو عمل میں بھی لائے، غوث الاولیاء نے جب گوالیار سے گجرات ہجرت فرمائی تو آپ بھی چلے آئے اور چند سال آشٹہ میں گوشہ نشین رہے، ۹۶۴ھ میں ترک سکونت کرکے الوہ سے خاندیس میں قصبہ جامود میں اقامت گزیں ہوئے،

شیخ عیسٰی جند اللہ نے بھی آپ کی زیارت کی تھی، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:-

ایک دفعہ مجھکو کسی تقریب سے اپنے مرشد شیخ لشکر محمد عارفؒ کے ہمرکاب جامود کے میدان میں جانے کا اتفاق ہوا تھا، وہاں شیخ وداداللہ کی ملازمت بھی میسر ہوئی تھی، ہم نے ایک نورانی پیر دیکھا جس کی پیشانی سے ولایت و کرامت کے انوار دیکھنے والوں کی نظر کے سامنے عیاں تھے۔[2]

آپنے ۹۹۳ھ میں وفات پائی اور جامود (خاندیس) ہی میں مدفون ہوئے،

شاہ منجھن | عبداللہ ابن قاضی خیرالدین کے فرزند رشید اور نجیب الطرفین تھے، آپکے جد امجد خلاصۃ العلماء قاضی تاج الدین، انکوی تھے اور نانا زبدۃ السادات قاضی سماءالدین دہلوی تھے، جو فیروز تغلق کی طرف سے منصب عالی پر سرفراز تھے اور قتلغ خانی کے خطاب سے مشہور تھے۔

[1] گلزار ابرار (اردو) ص ۵-۳۵۴ [2] ایضاً ص ۳۸۶

شاہ منجھن کے شیخ طریقت تاج العرفا، شیخ تاج الدین بخاری ہیں، موصوف جب ہندستان تشریف لائے تو غوث الاولیاء کے دامن سے وابستہ ہوگئے، اور شطاریہ سلسلے میں خرقۂ خلافت و اجازت حاصل کیا۔ شیخ تاج الدین نے شاہ منجھن کو غوث الاولیاء کی خدمت میں رہنے کی ہدایت و سفارش کی تھی، چنانچہ شاہ منجھنؒ نے غوث الاولیاء سے جواہر خمسہ پڑھی اور اس کو عمل میں لائے، غوث الاولیاء نے ازراہ کرم وہ خرقہ عطا فرمایا جو کوہستان چنار کے زمانہ ریاضت میں زیب تن فرماتے تھے، اس خرقہ کے متعلق مولانا محمد غوثیؒ لکھتے ہیں:-

ہجری ۱۰۱۱ھ میں آپ کے فرزند ارجمند شیخ عثمان کے ہاتھوں راقم نے بھی اس خرقہ کی زیارت کی تھی۔[1]

شاہ منجھن، شیخ احمدی کے ہم درس تھے، تمام علوم متداولہ کا محققانہ درس دیتے تھے، حدود شرعیہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے، پوری زندگی درس و تدریس و مطالعہ و مراقبہ میں گذری جس سال شیر شاہ سوری نے قلعہ رائے سین فتح کرکے اسلام آباد نام رکھا اس سال آپ اپنے وطن لکھنوتی سے چل کر اس قلعہ میں تشریف لائے، اور ایک زمانہ تک اس قلعہ کی شیخ الاسلامی اور خانقاہ داری کے منصب پر فائز رہے، جب قلعہ مذکور پر ہنود کا قبضہ ہوا تو آپ وہاں سے ترک سکونت کرکے سارنگ پور (مالوہ) چلے آئے اور یہاں مکان بنا لیا، ان اطراف میں شاہ منجھن جیسا متبحر عالم موجود نہ تھا، بقول مولانا غوثی:-

آپ کے گرامی قدم کی برکت سے سارنگ پور شہر شیراز کی طرح دارالعلوم بن گیا، اور بہت اہل کمال آدمیوں کے واسطے وہاں کی دامنگیر خاک سکونت کا باعث ہوئی۔[2]

شاہ منجھن آخر عمر میں آشٹہ میں گوشہ نشین ہوگئے، یہ قصبہ سارنگ پور سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہیں ماہ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔[3]

مولانا محمد غوثی بھی شاہ منجھن کی زیارت سے مستفیض ہوئے تھے، گلزار ابرار میں اس طرح ذکر ہے:-

---

۱؎ گلزار ابرار (اردو) ص ۳۷۳ ۲؎ ص ۳۷۳ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص ۳۷۴

جب ہجری ۹۶۸ھ میں مالک اقلیم، اکبر شاہ نے مالوہ کی طرف کوچ فرمایا تو صوبہ مالوہ کے تمام مشائخ ایک وجہ خاص سے لشکر میں فراہم کیے گئے، اس مجمع میں راقم کو شاہ منجھن کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا تھا، دیدار اور دست بوسی سے فیض پایا تھا۔[1]

شیخ عبدالحئی جیوہ شاہ محمد غوثؒ کے اجلۂ خلفاء میں ہیں، متوکلانہ زندگی بسر کی، تسلیم و رضا کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، شان بے نیازی یہاں تک تھی کہ ایک دن (بقول شیخ داؤد شطاری) حضرت شاہ محمد غوثؒ نے کچھ غلہ آپ کے ہاں بھیجا، آپ نے لینے سے انکار کر دیا، دوبارہ بھیجا گیا، پھر انکار کر دیا، تیسری بار بھیجا تو ساتھ ہی یہ تہدیدی پیغام بھی آیا:-

"دفتر خلافت سے تمہارا نام کاٹ دوں گا"![2]

مگر شیخ جیوہ نے اپنے شیخ طریقت کو کیا متوکلانہ جواب دیا ہے، فرمایا:-

"پیر کی رہنمائی کی بدولت رد کے خوف کا اور قبول کی امید کا نقش خاطر درویش سے بالکل دھو دیا گیا ہے، یہ تہدیدی پیغام بھی نقش بر آب ہے"۔[3]

شاہ محمد غوثؒ کے پاس جب یہ جواب پہنچا تو آپ خود شیخ جیوہ کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور بغلگیر ہو کر ارشاد فرمایا:-

عبدالحئی! استقامت اور ثابت قدمی کے منصب کا فرمان آج تمہارے نام نامی اور دستخط سے مکمل ہوگیا، اب تم الاستقامۃ فوق الکرامۃ کا علم طریقت کی معرکہ آرائی میں نصب کرو اور فاستقم کما امرت کا تاج اقبال کے سر پر اور فقر کی ہفت کشور کی سلطنت اپنے اوپر مسلم سمجھو۔[4]

گوالیار میں شیخ جیوہ کے دربار میں لوگوں کا اژدحام لگا رہتا تھا، وہ اس سے بہت تنگ دل تھے، اس لیے مجبوراً ترک وطن کر کے دہلی آئے، یہاں بھی وہی ہجوم رہنے لگا، ناچار پانی پت روانہ ہوئے، وہاں بھی یہی بھیڑ بھاڑ رہی، آخر کار دریائے جمنا کے کنارے قصبہ بدولی میں گوشہ نشین ہوگئے اور غالباً یہیں وفات پائی۔

۱؎ گلزار ابرار (اردو) ص ۳۷۳ ۲؎ ایضاً ص ۴۰۴ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص ۶-۴۰۵

دوسرے خلفاء و متوسلین شاہ محمد غوثؒ کے خلفاء و مریدین بیشمار ہیں، ان حضرات نے سلسلۂ شطاریہ کو ہند اور بیرون ہند میں پھیلایا، ان کے حالات کے لیے مولانا محمد غوثی کی تصنیف گلزار ابرار مطالعہ کی جائے۔

گوالیار میں شاہ محمد غوث کے فرزند شیخ عبداللہ (م ۱۰۲۱ھ) مسند نشین ہوئے، شیخ مبارک اور شیخ بدیع الزماں سمرقندی بھی یہیں تھے، اکبرآباد میں شاہ محمد غوث کے دوسرے فرزند شیخ نورالدین ضیاء اللہ (۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء) مسند نشین تھے۔ شیخ عبداللہ صوفی بھی یہیں تھے، برہانپور (خاندیس) میں شیخ اکمل الدین برہان شیخ لشکر محمد عارف (م ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء) اور سراج محمد بنیانی سلسلے کی اشاعت فرمارہے تھے، بڑودہ میں شیخ صدرالدین محمد شمس ذاکر (م ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) اور شیخ حبیب شطاری فیض رساں تھے، احمدآباد میں شاہ محمد غوث کے دو صاحبزادگان شیخ ادریس اور شیخ اسمٰعیل رونق افروز تھے۔ اعاظم خلفاء میں شیخ وجیہ الدین علوی اور شیخ علی شیر بنگالی ستفیض فرمارہے تھے، سنبھل میں شیخ محمد عاشق، اجمیر میں مولانا عبدالفتاح ناگوری، سرہند میں شیخ محمد جمالی، کالپی میں شیخ جلال واصل، بدولی میں شیخ جیوہ عبدالحئی، بیجاپور میں شیخ شمس الدین شیرازی، اجین (مالوہ) میں شیخ احمد متوکل اور شیخ عالم، سارنگ پور میں شیخ منجھن، غرض سارے اطراف واکناف میں خلفاء پھیلے ہوئے تھے اور سلسلۂ شطاریہ کی اشاعت پوری آب وتاب سے ہورہی تھی، شاہ وجیہ الدین (م ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء) کے خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ بروجی (م ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء) نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور اس سلسلہ کو حجاز میں پھیلایا، ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کی اشاعت سے سلسلہ شطاریہ متاثر ہوا، تاہم سولھویں صدی عیسوی میں بالخصوص بنگال، بہار، مالوہ، گجرات میں اس سلسلے کی اہمیت کم نہ تھی، شاہ ولی اللہ اور ان کے استاد شیخ ابوطاہر مدنی نے بھی شطاریہ اعمال واشغال سیکھے تھے۔ (محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء ص ۴۰-۴۱)

ہندوپاک میں صوفیائے کرام نے اشاعت اسلام کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں، لیکن اس عظیم ملک میں زبان اردو کی نشوونما اور فروغ میں ان حضرات کی مساعی کسی سے کم نہیں ہیں، اس حیثیت سے اگر ان کے ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اس سلسلہ میں

شاہ محمد غوث اور ان کے خلفا شیخ وجیہ الدین علوی (م ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء) لشکر محمد عارف (م ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء) اور ان کے خلیفہ شیخ عیسیٰ جند اللہ (م ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء) کے چند ملفوظات پیش کیے جاتے ہیں،

مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی برادر زادہ شیخ وجیہ الدین) میں سید ہاشم علوی کی زبانی شاہ محمد غوثؒ کا یہ ہندی قول نقل کیا گیا ہے،

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا۔

شیخ وجیہ الدین علوی کے ملفوظات جو ان کے مریدین نے بحر الحقائق کے نام سے مرتب کیے ہیں ان میں مریدین کی طرف سے چند سوالات فارسی میں ہیں لیکن شیخ وجیہ الدین کے جوابات ہندی میں ہیں، چند سوالات مع جوابات نقل کیے جاتے ہیں:-

(۱) فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق وشوق پاوے اسے ترک نہ دیوے۔" یعنی در آں چیزے کہ صوفی ذوق وشوق یابد آں را ترک نہ دہد۔

شخصے گفت:- اگر آں چیز متفق الحرمت باشد، چہ کند؟ از و اعراض نمودہ فرمودند:

"بھونڈا ہوے سونا کرے"

(۲) عزیزے عرض کرد، بخانۂ دنیاداران تردم۔ فرمودند: "در کاہے دنیا دار بھی اپنے" یعنی اہل دنیا نیز از ما اند۔

(۳) می فرمودند طالب کشف نباید شد۔ "اپنوں کو کیا کشف ہوئے یا نہ ہوئے، کام اس کا ہے۔"

(۴) در حکایت کردن فرمودند: "کیا ہوا جو بھوکوں مؤا، بھوکوں موئے تیں کیا خدا کو انپڑیا۔ خدا کو انپڑنے کی استعداد ہور۔"

(۵) کسے از ریاضت عرض کرد۔ فرمودند: "میں کہاں یا کدھاں، یا عذت کیتی؟"

(۶) فرمودند: جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ باوے، اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے"[1]

دوا نج الانفاس میں شیخ لشکر محمد عارف کا ایک ہندی قول ملتا ہے، آپ کے خلیفہ شیخ عیسیٰ جند اللہ جب چلّے سے فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

"الحمد للہ: بیمن توجہ حضرت ایشاں ایں چلہ بتوکل تمام شد، حضرت جند اللہ فی ارضہ (لشکر محمد) بادہ گرم شد، فرمودند:- "اے بھائی ایں غریب ہمہ کوں توکل کہاں، ؟ خدا وند تعالیٰ سبحانہٗ را ہر زمانے باید آزمود"[2]

ایک مرتبہ شیخ برہان الدین راز الٰہی نے اپنے شیخ طریقت شیخ عیسیٰؒ سے دریافت کیا کہ "دنیا" کیا ہے؟

آپ نے جواب میں یہ ہندی کا دوہا پڑھا:

جی ہر کوں بسراوے سہی
دنیا ناؤں اسی کا کہی[3]

(زبان اردو کے مشہور شاعر، خان آرزو (م ۱۱۶۹ھ) شاہ محمد غوثؒ ہی کی اولاد سے تھے، گوالیار سے دہلی آکر آباد ہو گئے تھے[4])

غرض صوفیائے کرام کے اس مقدس گروہ نے ہند و پاک کو ایک زبردست فکری اور لسانی سرمایہ دیا، ان حضرات کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔

(معارف)

---

[1] عبد الحق مرحوم: اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۳ء ص ۳۵-۳۸

[2] حیب اللہ راشد برہانپوری: تذکرۂ اولیائے سندھ مطبوعہ کراچی ؁ [3] ایضاً ص ۴۰

[4] شمس اللہ قادری: اردوئے قدیم مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۲۵ء

قرونِ وسطیٰ کا ایک عظیم مؤرخ

کشکولِ مسعودی

از

جناب مولوی شاہ محمد شبیر عطا صاحب ندوی

(۳)

مسعودی نے بعض بڑی نادر معلومات فراہم کی ہیں جو دلچسپی کے لحاظ سے پیش کی جا رہی ہیں۔

۱۔ **فوجی نظام**۔ مسعودی کہتے ہیں: جنگی سیاست، تدبیر لشکر، تنظیم سپاہ، مقدار فوج اور اس کے اسماء و اصطلاحات سے جو لوگ باخبر ہیں، ان کے متعلق اس کے واقف کاروں کا یہ بیان ہے:

(۱) **سرایا**۔ (جمع سریہ) وہ فوجی دستے جن کی تعداد تین سو سے پانسو تک کے درمیان ہو، یہ رات کو نکلنے والی مہم ہے،

(۲) **سوارب** (جمع سارب)۔ دن کو نکلنے والی مہم،

(۳) **مناسر** (جمع منسر)، جس مہم میں پانسو سے زیادہ مگر آٹھ سو سے کم افراد ہوں،

(۴) **جیش**۔ جو آٹھ سو کی مہم ہو وہ جیش ہے اور یہ سب سے کم تعداد ہے جو کسی جیش میں ہو سکتی ہے،

(۵) **خشخاش**۔ وہ مہم جس میں آٹھ سو سے زیادہ اور ہزار سے کم افراد ہوں۔

(۶) **جیش الآن**۔ وہ مہم جس میں ایک ہزار افراد شرکت کریں۔

(۷) **جیش جحفل**۔ وہ مہم جس میں چار ہزار افراد شرکت کریں۔

(۸) جیش جرار - وہ مہم جس میں بارہ ہزار افراد ہوں،

(۹) جرائد (جمع جریدہ) وہ سرایا و سوارب جو نکلنے کے بعد متفرق ہو جائیں اور چالیس نفر سے کم ہوں تو وہ جرائد کہے جائیں گے، (التنبیہ والاشراف ص ۲۷۹ و ۲۸۰)

(۱۰) مقانب (جمع مقنب) - جو دستہ چالیس سے لیکر تین سو سے کم پر مشتمل ہو،

(۱۱) جمرات (جمع جمرہ) - جو دستے تین سو سے لے کے کچھ زیادہ پانسو تک ہوں،

(۱۲) عصبہ - چالیس آدمی جس مہم میں شریک ہوں -

(۱۳) کتیبہ - وہ جمعیت جو منتشر نہ ہو.

(۱۴) حضرہ - وہ لوگ جن سے دس یا دس سے کم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے،

(۱۵) نفیضہ - وہ جماعت جس کے بل پر مقابلہ کیا جائے مگر بلحاظ تعداد جیش نہ ہو.

(۱۶) ارعن - وہ جیش کثیر جو پہاڑ کی طرح ڈٹا ہو.[1]

(۱۷) خمیس - جیش عظیم

(۱۸) جرار - وہ فوج جو اپنی کثرت کے باعث بغیر انبوہ کے کوچ نہ کر سکے - (التنبیہ والاشراف ص ۲۸۰)

(۲) عہد نبوت کے کاتبین اور ان کے مراتب | جو کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا وہی لکھتا بھی تھا، مندرجہ ذیل کاتب آپ کی خدمت میں رہے :-

(۱) حضرت خالد بن سعید بن العاص - پیشی کے کاتب تھے، ہر قسم کے کام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتے ان میں وہی کتابت کرتے تھے.

(۲ و ۳) مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر - یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات لکھتے تھے.

(۴ و ۵) حضرت عبداللہ بن ارقم اور حضرت علاء بن عقبہ - یہ دونوں قرض کے وثیقے، دستاویزیں، ہر قسم کے شرائط اور معاملات کے کاتب تھے.

[1] ارعن پہاڑ کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو ناک کی طرح آگے نکلا ہو، اسی سے تفضیل کا صیغہ ارعن استعمال کیا گیا ہے.

(۶ و ۷) حضرت زبیر و حضرت جہیم بن الصلت - یہ دونوں زکوٰۃ و صدقات کے کاتب تھے.

(۸) حضرت حذیفہ بن الیمان - حجاز کی آمدنی کا تخمینہ لکھتے تھے.

(۹) حضرت معیقب بن ابی فاطمہ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال غنیمت کی کتابت کرتے تھے.

(۱۰) حضرت زید بن ثابت انصاری - بادشاہوں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین لکھتے تھے. اور آپ کی خدمت میں جو خطوط آتے تھے ان کا جواب دیتے تھے، ان کے فرائض میں یہ بھی تھا کہ فارسی رومی قبطی اور حبشی زبانوں کے خطوط کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ترجمہ کرتے تھے. حضرت زید نے یہ زبانیں ان غیر ملکیوں سے سیکھی تھیں جو مدینہ میں رہا کرتے تھے.

(۱۱) حضرت حنظلہ بن ربیع - جب ان کاتبوں میں سے کسی شعبہ کا کوئی کاتب موجود نہ ہوتا تھا، ان کے فرائض میں یہ ان کی نیابت کرتے تھے، اور ان کا کام انجام دیتے تھے،

(۱۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح - انھوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ کی کتابت کی تھی، پھر مرتد ہو گئے (لیکن بعد کو پھر اسلام لے آئے)

(۱۳ و ۱۴ و ۱۵) شرحبیل بن حسنہ، ابان بن سعید، علاء بن حضرمی - ان تینوں نے بھی کبھی کبھی پیشگاہ نبوی میں کتابت کی تھی،

(۱۶) حضرت معاویہؓ - وفات نبویؐ سے چند ماہ پیشتر معاویہؓ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کی تھی. (التنبیہ والاشراف ص ۲۸۲ و ۲۸۳)

عباسیوں کی زرپاشی | مسعودی لکھتا ہے :- عباسی خلفاء کی تاریخ میں مہدی سے زیادہ فیاض، دریادل بلکہ مسرف دوسرا خلیفہ نہ تھا، منصور اپنے زمانہ میں انتہائی کفایت شعاری سے کام لیکر بے کراں دولت چھوڑ گیا تھا، جواہرات کے علاوہ خزانۂ عامرہ میں ایک کرور چالیس لاکھ اشرفیاں اور ساٹھ کرور درہم تھے،

مہدی نے اسے بے دریغ صرف کر دیا، خزانہ خالی ہو گیا، اور ابوحارثہ خزانچی نے کنجیاں اس کے سامنے لاکر ڈال دیں کہ خالی خزانہ کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے۔ (مروج الذہب ج ۲، ص ۱۷۲)

عباسیوں کا دور زریں اور ملک کی آسودہ حالی

ملک کی آسودہ حالی کے متعلق لکھتا ہے :۔ رعایا کی فارغ البالی، ملک کی آسودہ حالی اور عیش و تنعم کے سامانوں کی فراوانی کے اعتبار سے متوکل کا دور عباسی حکومت کا دور زریں تھا، اس کے زمانہ میں تمدنی نفاستیں اور نزاکتیں اس نقطہ پر پہنچ گئی تھیں جس کے بعد زوال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

متوکل کا زمانہ اپنی بھلائیوں، خوبیوں، سرسبزی و شادابی، فارغ البالی اور رفاہیت عیش کے لحاظ سے عہد سرور تھا، عوام و خواص سب اس سے خوش اور رضا مند تھے، اس کا زمانہ امن و امان، چیزوں کی ارزانی کے لحاظ سے بہترین دور تھا، اخراجات کی جس قدر کثرت اس کے زمانہ میں ہوئی اس قدر عباسیہ کے گذشتہ زمانہ میں نہ تھی، فوج، موالی، خدم و حشم کے اخراجات اور ان کے بڑے بڑے عطیے اور انعامات کے علاوہ متوکل نے ایک ارب درہم قصر جعفری کی تعمیر میں خرچ کیے، اور ان اخراجات کے بعد بھی چالیس لاکھ دینار اور ستر لاکھ درہم اپنے بعد چھوڑ گیا۔[۱]

زندہ عجائب خانے

چڑیا خانوں کی ایجاد کا سہرا بھی عباسیوں کے سر ہے۔ امیر المومنین قاہر باللہ کو چمن بندی کا بڑا شغف تھا، اس نے ایک پر فضا باغ تیار کرایا تھا جس میں رنگ برنگ کے پھول اور درخت نصب تھے، اسی چمن کے وسط میں اس نے خوبصورت، خوش الحان پرندے سلطنت کے دور دراز مقامات سے منگا کر پالے تھے، جس میں قمری اور طوطی وغیرہ بہت سے پرندے تھے، اس باغ کا منظر بہت ہی دلفریب تھا۔ (مروج الذہب ج ۸، ص ۳۳۷)

خلیفہ کی دلچسپی دیکھ کر امراء کو بھی شوق ہوا، اور اکثر امیروں نے اس کو ترقی دی، ان کو

[۱] تاریخ اسلام مولفہ شاہ معین الدین احمد ندوی ج ۳ تذکرہ متوکل بحوالہ مروج الذہب ج ۷، ص ۲۷۵

دیکھ کر شعراء کیوں پیچھے رہتے، چنانچہ مشہور شاعر ابن بسام نے ایک شاندار محل بنوا کر اس میں خوبصورت پرندوں کو چھوڑا۔

اس زمانہ میں یہ شوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ بغداد کی ایک سڑک کا نام شارع الاسد تھا، اور دوسری کا شارع الکبش۔ (مروج الذہب ج ۸، ص ۱۸۴)

کبوتروں کی ڈاک

کبوتروں سے پیام رسانی کا کام مہذب دنیا میں عرصہ تک لیا جاتا رہا، اور اب بھی جنگ کے زمانہ میں ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ معتصم کو مشہور باغی بابک کی گرفتاری کی اطلاع کبوتر کے ذریعہ دی گئی تھی (مروج الذہب ج ۷، ص ۱۲۶)

پھولوں سے عشق

امیر المومنین معتضد باللہ عباسی نے ایک باغی درباری سے آخری خواہش دریافت کی کہ مرنے سے پہلے کیا چاہتے ہو! اس نے عرض کیا صرف ایک بار پھولوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی جائے۔ (مروج الذہب ج ۸، ص ۱۹۹)

تصویر دار سکے

المسعودی نے لکھا ہے کہ الراضی باللہ عباسی کے زمانہ میں مشہور ترکی سپہ سالار بجکم (جو امیر الامراء کے عہدہ پر تھا) نے ایسے سکے ڈھلوائے تھے جن پر بجکم کی تصویر تھی، یہ سکے سونے کے تھے، اور ہر سکہ کا وزن دس مثقال تھا، سکہ کے ایک طرف امیر الامراء کی تصویر تھی اور دوسری طرف یہ اشعار کندہ تھے،

انما العز فاعلم۔ للامیر المعظم۔ سید الناس بجکم[۱] (مروج الذہب ج ۸، ص ۳۳۱)

توشہ خانے

عباسیوں کو قدیم نوادر، قیمتی اور کمیاب اشیاء کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، ہارون رشید کے توشہ خانہ، سابق اموی خلفاء کی پوشاکیں بڑے احتیاط سے رکھی ہوئی تھیں، ان ہی میں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی شاہی عبا بھی تھی، جسے ہارون نے ایک موقع پر اصمعی کو بخش دیا تھا۔ (ایضاً ج ۸، ص ۳۵۰)

حضرت امیر معاویہؓ کی ڈائری کا ایک ورق

حضرت معاویہؓ کے یومیہ معمولات مندرجہ ذیل تھے،

عام طور سے آپ دن رات میں پانچ بار لوگوں کو باریاب کرتے، صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی

تاریخی واقعات پڑھوا کر سنتے، پھر محلسرا تشریف لے جاتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے (عام طور سے کبھی ایک پارہ قرآن پڑھتے تھے) تلاوت سے فارغ ہو کر خانگی امور کے سلسلہ میں احکام صادر کرتے، اور چار نفل پڑھنے کے بعد باہر آتے تھے، اس وقت صرف مخصوص لوگوں کو پیش کیا جاتا جن سے آپ گفتگو کرتے اسی وقت وزرائے سلطنت حاضر ہو کر امور سلطنت کے متعلق احکام حاصل کرتے، دوران گفتگو ہی میں ناشتہ کا وقت آجاتا اور آپ وہیں ناشتہ کرتے، ناشتہ کرتے جاتے اور گفتگو بھی ہوتی رہتی، ناشتہ میں عام طور پر کبھی حلوان کا گوشت ہوتا یا پرندوں کا لذیذ گوشت ہوتا تھا، ناشتہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر کے لیے پھر محل میں تشریف لے جاتے، وہاں سے جب برآمد ہوتے تو خادم کو مسجد میں کرسی رکھنے کا حکم دیتے خادم کرسی کو محراب مسجد سے ملا کر رکھدیتا آپ اس پر جلوہ افروز ہوتے (یہ گویا دربار عام تھا) اور آپ کے سامنے فریادیوں کو پیش کیا جاتا، ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ وہ بلا روک ٹوک آکر استغاثہ کر سکتا ہے ان میں فقرا بھی ہوتے، لاوارث بھی ہوتے، اسوقت آنے والوں میں عرب کے صحرانشین بدوی ہوتے بے یار و مددگار غریب بیوہ عورتیں ہوتیں، جن کے ساتھ بچے بھی ہوتے تھے، ہر فریادی کے بارے میں آپ فرداً فرداً احکام جاری کرتے، کوئی مظلوم ہوتا تو اسی وقت اس کی مدد کے لیے آدمی بھیجتے اور تمام آنے والے بامراد واپس جاتے، ان قضیوں کو ختم کر کے جا کر مسند پر بیٹھتے، اور حکم ہوتا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ اور رتبہ کے لحاظ سے اندر آنے کی اجازت دیجائے، چنانچہ لوگ حسب مراتب آتے اور سلام عرض کرتے، آپ خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیتے، اور مزاج پرسی کرنے والوں کے جواب میں الحمد للہ کہتے، جب آنے والے باطمینان بیٹھ جاتے اور دربار جم جاتا تو آپ فرماتے (یہ دربار خاص تھا) لوگو تم اس لیے معزز کہلاتے ہو کہ تم کو اس دربار میں شرکت کا اعزاز بخشا گیا ہے، اس لیے تمہارا فرض ہے کہ ان لوگوں کی ضرورتیں اور خواہشیں میرے سامنے پیش کرو جن کی رسائی دربار میں نہیں ہو سکتی، اس کے جواب میں کوئی امیر کھڑے ہو کر یہ عرض کرتا کہ فلاں شخص نے شہادت پائی، آپ فرماتے اس کے ورثاء کے لیے

وظیفہ مقرر کر دیا جائے، کوئی اطلاع دیتا کہ فلاں شخص مفقود الخبر ہو گیا، آپ فرماتے اس کے گھر والوں کا خیال رکھا جائے، اس بات چیت کا سلسلہ کھانے کے وقت تک جاری رہتا، اور آپ احکام صادر کرتے رہتے کہ کھانے کا وقت آتا تو دسترخوان وہیں لگا دیا جاتا، اس وقت آپ کا پرائیوٹ سکریٹری بھی آجاتا، آپ اس کو دسترخوان کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیتے، اس وقت بھی آنے والوں کا سلسلہ جاری رہتا، ہر آنے والا تھوڑی دیر بیٹھتا اور آپ کے ساتھ شریک طعام ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا، آپ اس پر حکم دیتے، اس طریقہ سے تقریباً چالیس آدمیوں کی باریابی دسترخوان ہی پر ہو جاتی، سکریٹری ہر شخص کی عرضی پڑھ کر سناتا جاتا تھا، اس کے بعد دسترخوان بڑھایا جاتا اور آپ ظہر کی نماز کے لیے تشریف لیجاتے، وہاں سے محل میں واپس جا کر چار رکعت نفل پڑھتے، پھر ایک مخصوص نشست ہوتی، اس موقع پر نقلیات بھی پیش کیے جاتے، اگر موسم سرما ہوتا تو خاص قسم کے کلیچے، شیرمالیں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں یا خشک میوے ہوتے، اور اگر گرم موسم ہوتا تو تازہ میوے ہوتے، آپ ان سے شغل بھی کرتے جاتے اور وزرائے سلطنت کو ہدایتیں بھی دیتے جاتے، عام طور پر احکام جلد دیتے تھے، عصر تک یہ مشغلہ رہتا عصر کی نماز سے فارغ ہو کر محلسرا جاتے، اس وقت کسی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہ تھی تھوڑی دیر کے بعد باہر تشریف لاتے اور مسند پر جا بیٹھتے، اس وقت پھر لوگوں کو حسب مراتب باریابی کی اجازت ہوتی، اسی وقت شام کا کھانا آجاتا جس کا سلسلہ مغرب تک جاری رہتا مغرب کی اذان سنکر نماز پڑھنے کے لیے مسجد تشریف لیجاتے، نماز کے بعد چار رکعت نفل پڑھتے اور ہر رکعت میں پچاس آیتیں تلاوت کرتے، نفل میں قرآن مجید آہستہ پڑھتے اور کبھی آواز کے ساتھ، پھر محلسرا میں جاتے، اس وقت کسی کے لیے ملنے کا موقع نہ ہوتا، وہاں سے عشاء کی اذان کے بعد برآمد ہوتے، نماز سے فراغت کے بعد مخصوص حاشیہ نشینوں اور مصاحبوں کو شرف باریابی بخشتے، اس وقت وزراء سے بھی امور مملکت کے متعلق مشورہ کرتے، اس کے بعد ایک تہائی رات گئے تک عربوں کے قصے، ان کی قدیم جنگیں،

عجمیوں کی داستانیں، ان کے بادشاہوں کا نظام حکمرانی اور گذشتہ قوموں کے حالات اور ان کی جنگی تدبیریں، وغیرہ وغیرہ پڑھوا کر سنتے، اس نشست میں اندر سے کچھ مٹھائیاں اور فواکہات آجاتے ان سے بھی شغل رہتا، اس کے بعد خوابگاہ میں تشریف لے جاتے، (مروج الذہب ج ۵ تذکرہ حضرت معاویہ)

المسعودی کے معاصرین المسعودی کے تعلقات جن علماء سے رہے ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے لیکن وہ اپنے معاصرین کی فضیلت کا پورا اعتراف کرتا ہے، اپنے نامور معاصر امام ابن جریر طبری کے متعلق اس نے بڑے شاندار الفاظ استعمال کیے ہیں، مشہور ادیب اور ماہر زبان ابن درید کا تذکرہ بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے جغرافیہ دانوں میں اس کا دوست ابوزید سیرافی تھا، مسعودی نے اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی اعتراف کیا ہے۔ مصر میں کافی عرصہ تک مسعودی کا قیام رہا، وہاں اس کے معاصر مورخوں میں امام ابن یونس مولف تاریخ مصر اور امام ابن یوسف الکندی مولف کتاب الولاۃ والقضاۃ تھے،

اس نے اکثر متکلمین کو دیکھا تھا، جن میں امام جبائی، امام ابوالحسن اشعری، امام ابوالقاسم بلخی، امام ابوالعباس الناشئ، امام حسن ابن موسیٰ النوبختی وغیرہ قابل ذکر ہیں،

مسلم جغرافیہ دانوں سے بھی اس کے تعلقات تھے، چنانچہ عبداللہ بن وزیر کے بارے میں لکھتا ہے

ولہ یبق فی ہذا الوقت ابصرمنہ بالبحر الرومی (مروج الذہب ج ۱ ص ۲۸۳)

المسعودی کا مذہب المسعودی کے مذہب کے بارہ میں مختلف رائیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ وہ شیعی تھا، دوسری روایت یہ ہے کہ باطنی تھا، تیسری روایت یہ ہے کہ معتزلی تھا،

تیرہویں صدی کے مشہور شیعی مورخ مرزا محمد باقر خوانساری لکھتے ہیں

المسعودی المشتہر بین العامۃ بشیعی المذہب (روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ص ۳۷۹)

ریاض العلماء (جو شیعوں کی مشہور کتاب ہے) کے مصنف کا بیان ہے

الشیخ المسعودی من اصحابنا الامامیۃ

مسعودی کا شمار علمائے امامیہ میں ہے

المعاصر للصدوق[1]

وہ شیخ صادق کے معاصر تھے،

ایران کے ایک بڑے مجتہد ابوعلی کربلائی رقمطراز ہیں:-

المسعودی ہذا من اجلۃ العلماء الامامیۃ من قدماء الفضلاء الاثنی عشریہ و یدل علیہ ملاحظۃ اسامی کتبہ ومصنفاتہ[2]

مسعودی شاہیر متقدمین علمائے امامیہ میں بڑی جلیل القدر شخصیت کے مالک ہیں، اس کا ثبوت ان کی کتابوں اور تصنیفات کے ناموں ہی کے دیکھنے سے ملتا ہے،

ایک بڑے عالم فرقہ امامیہ جمال الدین مطہر نے اپنی کتاب "خلاصہ" کی پہلی فصل میں لکھا ہے، (اور اس کتاب یعنی خلاصہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف ثقات ہی کا تذکرہ ہے، یا ان حضرات کا جن پر ماہرین فن رجال کا اتفاق ہے کہ وہ ثقہ تھے،

لہ کتب فی الامامۃ وغیرہا منہا کتاب اثبات الوصیۃ لعلی بن ابی طالب[3]

مسعودی نے امامت کے مسئلہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں، ایک کتاب کتاب اثبات الوصیہ بھی ہے۔

"تاسیس الشیعۃ الکرام فی فنون الاسلام" کے مصنف حسن الصدر لکھتے ہیں

وکان یستتر بالشافعیۃ فی المذہب مدۃ اقامتہ بمصر والشام (تاسیس الشیعۃ الکرام ص ۲۵۴)

یعنی مسعودی اپنے کو بظاہر شافعی ظاہر کرتا تھا جبتک وہ مصر وشام میں مقیم رہا، حالانکہ وہ امامی تھا،

دوسری رائے یہ ہے کہ وہ باطنی تھا،

---

[1] ریاض العلماء بحوالہ روضات الجنات ومعجم المطبوعات العربیہ ص ۱۷۴۴ [2] منتہی المقال فی احوال الرجال بحوالہ "تاسیس الشیعۃ الکرام ۲۵۴ [3] خلاصہ بحوالہ تاسیس الشیعۃ الکرام ص ۲۵۴

ڈاکٹر کرد علی لکھتے ہیں :۔ "اگر مسعودی کا شیعہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے ایک نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ وہ فاطمی تحریک سے متاثر تھا، یا خود اس کا داعی تھا کیونکہ مسعودی کے زمانہ میں فاطمی تحریک بڑے منظم طریقہ پر وادی نیل میں جاری تھی، مشہور فاطمی جنرل جوہر صقلی کے مصر فتح کرنے سے پہلے ہی فاطمیوں کی خفیہ سازشیں مصر میں ہو رہی تھیں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مسعودی نے فاطمی تحریک کا مطالعہ کیا ہو اور اپنی خدمات فاطمیوں کے سامنے پیش کی ہوں، یا خود فاطمیوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہو، کیونکہ مسعودی ایسا شخص تھا جس نے عباسیوں کا انحطاط اور ان کی گرتی ہوئی ساکھ کو محسوس کر لیا تھا، پھر مسعودی کا مذہب اس کو ترغیب دیتا تھا کہ وہ عباسیوں کے بجائے اہل بیت کو حکومت کی مسند پر دیکھے (حالانکہ مسعودی نے بظاہر کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے ہمارا یہ گمان صحیح ہو سکے) مسعودی نے اپنی کتاب التنبیہ والاشراف ۳۴۵ھ میں لکھی ہے، جب فاطمی حکومت ۲۹۶ھ میں افریقہ میں قائم ہو چکی تھی، پھر فاطمیوں نے ۳۰۱ھ ہی سے مصر پر حملے شروع کر دیے تھے، ان کے گماشتے اور داعی سارے بر اعظم افریقہ میں فاطمیت کی تبلیغ کرتے رہے، یہ میری ذاتی رائے ہے"۔[1]

تیسری رائے یہ ہے کہ وہ معتزلی تھا،

امام جمال الدین ابو المحاسن یوسف ابن تغری بردی الاتابکی اپنی جلیل القدر تصنیف النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ (جو مصر کی تاریخ پر سب سے مستند کتاب ہے، اور چونکہ مسعودی مصر میں رہ چکا تھا اور اس کا مدفن بھی وہیں ہے، اس لیے ابن تغری بردی کی معلومات زیادہ وقیع ہوں گی) میں مورخ اسلام امام شمس الدین الذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسعودی معتزلی تھا،[2]

امام تاج الدین السبکی طبقات الشافعیہ الکبریٰ میں مسعودی کو شافعی لکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عقیدۃً وہ معتزلی تھا،[3]

---

[1] کنوز الاجداد ص ۱۱۲ و ۱۱۳ [2] النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ ج ۳ ص ۳۱۶ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۷

محمد بن شاکر کتبی فوات الوفیات میں لکھتے ہیں

قال الشیخ شمس الدین عدادہ	شیخ شمس الدین کا بیان ہے کہ اس کا شمار
فی البغدادیین (فوات الوفیات ج ۲ ص ۹۴)	بغدادیین میں ہے۔

یہاں شیخ شمس الدین سے امام ذہبی اور بغدادیین سے معتزلہ مراد ہیں، یہ ایک اصطلاح ہے، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ مسعودی شیعی اور معتزلی تھا (لسان المیزان ج ۴ ص ۲۲۴) اور مسعودی کی شیعیت کی دلیل میں لکھا ہے: ان علیا کان احب الخلق الیہ یعنی حضرت علی مسعودی کی نظر میں ساری دنیا سے زیادہ محبوب تھے ......

میری رائے مندرجہ بالا تینوں رائیں ناظرین کے سامنے ہیں، جہاں تک میں نے مسعودی کا مطالعہ کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسعودی کا تعلق اعتزال سے تھا، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ مسعودی کے متعلق امام تاج الدین سبکی نے اسکی تصریح کی ہے کہ وہ شافعی تھا اور شیعہ شافعی نہیں ہوتے۔

۲۔ اکثر شیعی علما مسعودی کے شیعہ ہونے کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں، اگر مسعودی شیعہ ہوتا تو وہ شیعی نظریہ کے مطابق تاریخ بھی لکھتا، لیکن اس نے اس کے برعکس شیعیت کی حمایت نہیں کی: ڈاکٹر کرد علی لکھتے ہیں

ولم یقبلہ بعض رجال الشیعۃ	شیعہ حضرات اس بنا پر مسعودی کو شیعیت کے
فی جملتھم لانہ ذکر فی مروج	زمرہ سے خارج کرتے ہیں کہ اس نے تاریخ
الذھب ایام خلافۃ الاول	نگاری کا وہ طرز اختیار کیا ہے جو شیعی مزاج کے
والثانی ثم خلافۃ علی ثم خلفاء	خلاف ہے، مسعودی نے مروج الذہب میں حسب
بنی امیہ ثم بنی العباس وذکر	ترتیب خلفاء کے حالات لکھے ہیں اس ترتیب
سیرھم واثارھم وقصصھم	ہی سے شیعوں کو اختلاف ہے، مسعودی نے
واخبارھم علی طریقۃ العامۃ	شیخین کی خلافت کا تذکرہ پہلے کیا ہے، پھر

(يلقبون بالعامة اهل السنة وبالخاصة الشيعة) ونحو ذلك من دون تعرض لذكر مساويهم وقبائحهم كظلمهم اهل البيت وغيره ذلك

حضرت علی کا تذکرہ کرتا ہے، اور خلفائے راشدین کے بعد امویوں اور عباسیوں کا تذکرہ کرتا ہے (حالانکہ یہ سب شیعی نظریہ کے مطابق غاصب تھے) مسعودی نے خلفاء کے حالات، ان کے فضائل ومناقب بالکل اہل سنت کے نظریہ کے مطابق لکھے ہیں، اور اس نے ان مظالم کا تذکرہ تک نہیں کیا، جو یہ خلفاء اہل بیت پر کرتے رہے۔ اور خلفاء کی برائیوں کی پردہ پوشی کی ہے۔

(کنوز الاجداد ص ۱۱۲)

۳۔ مسعودی نے مروج الذہب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ جس عقیدت سے کیا ہے اور جو الفاظ اس کے قلم سے نکلے ہیں وہ کسی شیعی کی قلم سے نکل ہی نہیں سکتے، مروج الذہب کی جلد پنجم صفحہ ۱۲۰ پر لکھتا ہے

فلنذكر الآن جملاً من فضل الصحابة وغيرهم رضي الله عنهم اذ كانوا حجة على من بعدهم وقدوة لمن تاخر عنهم

اب ہم صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے کچھ فضائل لکھتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بعد کے آنے والوں کے لیے حجت اور نمونہ تھے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے:- وانما سمى الفاروق لانه فرق بين الحق والباطل (مروج الذہب ج ۴ ص ۱۹۲)

آگے چل کر لکھتا ہے:- وہ (حضرت عمرؓ) بڑے متواضع تھے۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے تھے، اللہ

کے معاملہ میں بڑے سخت تھے، اور ان کے عمال خواہ وہ ان کے پاس موجود ہوں یا ان سے دور ہوں اپنے تمام افعال وعادات وخصائل واخلاق میں ان کی پیروی کرتے تھے۔ اور اس عزت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی وہ اون کا، چمڑے وغیرہ کا پیوند لگا جبہ پہنتے تھے، کمبل اوڑھتے تھے۔ اپنے کندھے پر مشکیزہ اٹھاتے تھے۔ آپ کی سواری میں اونٹ ہوتا تھا جس کا لجادہ کھجور کی کھال سے کسا ہوتا تھا، یہی حال ان کے عمال کا تھا، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فتوحات اور مال میں وسعت عطا فرمائی تھی۔ (مروج الذہب ج ۴ ص ۱۹۳)

پھر صحابہ کرام میں افاضل صحابہ کا تذکرہ اس طریقہ سے کرتا ہے

قال بعض من تقدم من الشعراء في صدر الاسلام يذكرهم

ایک شاعر جس نے عہد صحابہ دیکھا تھا، افاضل صحابہ کی ترتیب میں یہ اشعار کہے:

فيا سائلي عن خيار العباد — فصادفت ذا العلم والخبرة

خيار العباد جميعا قريش — وخير قريش ذوو الهجرة

وخير ذوي الهجرة السابقون — ثمانية وحدهم نصرة

علي وعثمان ثم الزبير — وطلحة واثنان من زهرة

وشيخان قد جاورا احمد — وجاور قبرهما قبره

فمن كان بعدهم فاخرا — فلا يذكرن عندهم فخره[1]

۵۔ حضرت امیر معاویہؓ کو کوئی شیعہ گوارا نہیں کر سکتا، لیکن مسعودی نے آپ کے فضائل ومناقب بھی بیان کیے ہیں، اس کو امیر معاویہ کے حالات سے اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے آپ کے بارے میں جزئیات بھی نہیں چھوڑیں، ان کے شبانہ یوم کے معمولات کا حال اوپر گذر چکا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:-

[1] مروج الذہب ج ۴ ص ۱۳۶ و ۱۳۷

وقبر معاویۃ یزار الی ھذا الوقت	حضرت معاویہؓ کی قبر کی زیارت آج تک
سنۃ ۳۳۲ وعلیہ بیت یعنی بفتح کل	کیجاتی ہے، یعنی ۳۳۲ھ تک (جس میں
یوم الاثنین والخمیس	مسعودی نے اسے دیکھا تھا، اور اس پر
	ایک عمارت بنی ہوئی ہے (اس سے مراد قبہ ہے)
(مروج الذہب ج ۵ ص ۱۴)	جو ہفتہ میں دو بار دوشنبہ و جمعرات کو کھولی جاتی ہے۔

۶- وہ شیعوں کے برخلاف خلافت عباسیہ کے تنزل پر نوحہ خوانی کرتا ہے، (ایضاً ج ۲ ص ۴۷)

۷- قرامطہ پر اس نے لعنت بھیجی ہے (جبکہ قرامطہ اور فاطمیوں کا ربط تاریخ سے ثابت ہے) اگر مسعودی اسمٰعیلی ہوتا تو وہ اپنے ہم مشربوں پر لعنت نہ بھیجتا (مرج الذہب ج ۹) اس بنا پر ڈاکٹر کرد علی کا یہ کہنا کہ وہ اسماعیلی تھا محض قیاس ہے اور اس کا وہ کوئی قطعی ثبوت نہیں دے سکے

۸- مسعودی نے ایک کتاب کتاب الواجب فی الفروض اللوازم لکھی تھی، اس میں اس نے یہ ثابت کیا تھا کہ متعہ حرام ہے، اور غسل رجلین و مسح رجلین کی بحثیں بھی اس میں شامل ہیں، جو اس کے شیعہ نہ ہونے کا ایک بڑا ثبوت ہے (مروج الذہب ج ۵ ص ۱۸۹)

۹- شیعی علماء نے مسعودی کی شیعیت کی دلیل میں صرف یہی کہا ہے کہ اس کی تصنیفات میں امامت کے موضوع پر کئی کتابیں ہیں، لیکن اس نے خارجیوں کے حالات میں بھی ایک کتاب لکھی ہے[1] (جس کا تذکرہ شیعی مورخین نہیں کرتے، کیا اس سے اس کی شیعیت پر استدلال صحیح ہوگا،

(لطیفہ) تاسیس الشیعۃ الکرام فی فنون الاسلام کے مصنف نے مسعودی کی تصنیفات کی فہرست لکھی ہے، اس میں کتاب الزلف (یعنی کا بھی ذکر ہے، مصنف نے یہ سمجھکر کہ کتاب الزلف (یہ دونوں ایک ہی نام ہیں) یہ بھی کوئی امامت پر کتاب ہوگی، اس کا بھی تذکرہ کر دیا، حالانکہ یہ کتاب موسیقی پر ہے، مسعودی لکھتا ہے: "وقد

---

[1] دیکھئے کشف الظنون ج ۱ ص ۶ و معجم الادباء ج ۵ ص ۴۹ و النجوم الزاہرہ ج ۳ ص ۳۱۶ و طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۰۷ و مروج الذہب ج ۵ ص ۱۴۴

اشبعنا القول فی الموسیقا واصناف الملاھی واصناف الرقص والطرب والنغم ونسبۃ النغم وما استعملتہ کل امۃ من الامم من اصناف الملاھی من الیونانیین والروم والسریانیین والنبط والسند والھند والفرس وغیرھم الخ فی کتابنا المترجم بکتاب الزلف - (مرج الذہب ج ۸ ص ۳۲۴)

۱۰- شیعی علماء کا یہ کہنا کہ مسعودی تقیہ کرتا تھا، واقعی قابل غور ہے، غالباً تاریخ کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں شیعوں کو جتنا عروج حاصل ہوا ویسا کسی دور میں کم ہوا ہوگا، خلافت عباسیہ کے متولی بنی بویہ تھے، جن کی شیعیت پر سب کا اتفاق ہے۔

عراق سے قریب ہی حمدانیوں کی آزاد سلطنت تھی جس کا مشہور فرمانروا سیف الدولہ شیعی تھا، مصر میں اخشیدیوں کی حکومت تھی، اور خود اخشید کے تعلقات افریقہ کے فاطمیوں سے بڑے خوشگوار تھے، بلکہ اخشید کی لڑکی کی شادی فاطمی ولیعہد سے ہونے والی تھی[1]،

پھر افریقہ میں ایک آزاد شیعی سلطنت قائم تھی، جس کا قبضہ مصر پر تو بعد میں ہوا لیکن اس کے اثرات پہلے ہی سے قائم تھے، اس لیے ایسے حالات اور ماحول میں مسعودی جیسے شخص کا شافعی مذہب اس لیے اختیار کرنا کہ اسے جان کا خوف تھا کچھ مضحکہ خیز سا معلوم ہوتا ہے۔

۱۱- ان سارے دلائل سے قطع نظر کرکے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسعودی شیعہ تھا، تو وہ اس قسم کا شیعہ تھا جیسے قرون اولیٰ کے شیعہ ہوا کرتے تھے، جب شیعیت نام تھا صرف محبت اہل بیت کا، یا جیسا کہ امام احمد بن یحییٰ المرتضیٰ الیمانی نے لکھا ہے

کان التشیع یومئذ من یفضل	اس وقت شیعیت یہ تھی کہ حضرت علیؓ کو حضرت
علیا علی عثمان[2]	عثمانؓ پر فضیلت دیتے تھے،

اور اس قسم کے شیعی علماء میں امام نسائی اور امام حاکم نیشاپوری مصنف المستدرک علی الصحیحین اور

---

[1] تاریخ الاسلام السیاسی مولفہ حسن ابراہیم حسن ج ۳ ص ۲۳۷، [2] المنیۃ والامل ص ۲۸

دوسرے اہل سنت علماء بھی آتے ہیں، اس میں مسعودی ہی کی کیا تخصیص ہے،

۱۳- مسعودی معتزلی تھا، اس کی تصریح مورخین نے کی ہے، اور اس نے خود معتزلہ کے بارے میں جو انکشافات کیے ہیں وہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو اعتزال سے قریبی تعلق رکھتا ہو۔

۱۳- امام جبائی، امام ابو القاسم بلخی، امام نوبختی، امام ابو العباس الناشی جیسے مشاہیر معتزلہ کا زمانہ اس نے پایا تھا، جن سے اس نے ضرور استفادہ کیا ہوگا،

۱۴- فوات الوفیات کے مصنف نے امام شمس الدین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ بغدادی مسلک رکھتا تھا، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسعودی محض مورخ ہی نہیں تھا، بلکہ معتزلی متکلم بھی تھا، چنانچہ اس نے علم کلام پر ضخیم کتابیں لکھی ہیں، افسوس ہے کہ اس کی تصنیفات ضائع ہوگئیں، ورنہ ان دلائل کی ضرورت نہ ہوتی، اور خود اس کی تصنیفات اس کی سب سے بڑی شاہد ہوتیں،

ایک ضروری اطلاع

معارف کے پاکستانی خریداروں کے لیے

پاکستان میں معارف کے جو خریدار ہیں، اور وہ اس کا چندہ ہندوستان نہیں بھیج سکتے، یا جو اپنے نام اب معارف جاری کرانا چاہتے ہیں وہ اس کا سالانہ چندہ مبلغ ۱۲ جناب سخی احمد صاحب ہاشمی لکچرار اردو سندھ یونیورسٹی حیدر آباد (مغربی پاکستان) کے یہاں جمع کر کے اس کی رسید دار المصنفین اعظم گڈھ کو بھیج دیں تو معارف ان کے نام جاری ہو جائے گا۔

منیجر

عربی کے ہندی الاصل الفاظ

مترجمہ جناب عبد الرؤف صاحب ایم اے لکچرار شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی

حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی عرب و ہند کے تعلقات میں اس موضوع پر لکھا ہے، اور بہت سے عربی کے ہندی الاصل الفاظ نقل کیے ہیں جن میں اس مضمون کے متعدد الفاظ بھی ہیں، لیکن پروفیسر حسن بائے دت ایم اے ڈی فل شعبۂ تقابلی لسانیات کا مضمون بھی مفید ہے، اس لیے اس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔ م

سہ حرفی مادوں کی امتیازی خصوصیت کے لحاظ سے عربی سامی خاندان کی زبانوں کی ایک شاخ ہے، بلکہ سامی خاندان کی السنہ میں بعض امور کے لحاظ سے صدر کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ سامی خاندان کی تمام زبانوں کے لیے وہ بنیادی شکلیں مہیا کرتی ہے، عربی زبان کے دامن میں الفاظ کے جو ذخیرے موجود ہیں ان کے لحاظ سے دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور اس اعتبار سے وہ ہماری خصوصی توجہ کی مستحق ہے، عرب جب متمدن دنیا کے ہر گوشے میں پھیلنے لگے تو ان کی زبان بھی فطری طور پر دنیا کی دوسری زبانوں سے قریب تر ہونے اور ان کا اثر قبول کرنے لگی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف موجودہ بولیوں میں منقسم ہو گئی، ملک عرب کا جب دیگر ممالک سے سابقہ پڑا اور ان سے اس کے رشتے قائم ہوئے تو ان رشتوں کو سامی خاندان کی دیگر شاخوں کے ذریعہ برقرار رکھا گیا، اس لیے عرب کی زبان اپنے سامی النسل ہونے کی جبلی خصوصیات، پاکیزگی اور وسعت کو برقرار رکھ سکی اور دوسری سامی زبانوں کے مقابلے میں اس نے بیرونی اثرات کو بہت کم قبول کیا،

مذاق ادب عربوں کی سرشت میں داخل ہے، عرب قوم شعروادب سے خواہ وہ تقریری ہو یا تحریری جس طرح اثر پذیر ہوتی ہے، غالباً دنیا کی کوئی قوم اس باب میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، عربی زبان اپنے بولنے والوں کو جو کیف و اثر بخشتی ہے، کسی دوسری زبان کے بولنے والے شاید ہی اپنی زبان سے اس طرح محظوظ ہوتے ہوں، سامی النسل ہونے کے اعتبار سے قدیم عربوں نے نہ کسی عظیم فن کو جنم دیا اور نہ اسکی آبیاری کی، لیکن اپنی جمالیاتی حسیات کی ترجمانی کے لیے انھوں نے ایک راہ ڈھونڈلی اور وہ تھی ان کی قوت تحریر یا زور خطابت، جس طرح یونانیوں نے بت تراشی اور فن تعمیر کو جمالیاتی حس کے اظہار کا ذریعہ بنایا تھا، ٹھیک اسی طرح عربوں نے قصیدے کو اور یہودیوں نے حمد خوانی کو اپنے مذاق ادب کا ترجمان بنایا، عربوں کے یہاں ایک کہاوت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ" انسان کا حسن اس کی زبان کی فصاحت میں پوشیدہ ہے۔" اسی طرح ایک دوسری ضرب المثل میں ہے کہ حکمت صرف تین چیزوں پر نازل ہوئی، یعنی" فرنگیوں کے دماغ، چینیوں کے ہاتھ اور عربوں کی زبان پر"۔ اپنی مخصوص ساخت کے اعتبار سے عربی نے نہایت ہی حسن کے ساتھ ایک جامع، فصیح اور پر لطف لب و لہجہ اختیار کر لیا،

عربی پہلے ہی سے ایک ترقی یافتہ زبان تھی، وہ ایسی قوموں کی زبان رہ چکی ہے جو اپنی ذہانت اور اولوالعزمی کے اعتبار سے اپنی ہم عصر دنیا سے بہت آگے تھیں، اس لیے مغربی زبانوں کے لیے عربی نے لفظوں کے ذخیرے مہیا کر دیے، اور عربی زبان سے مستعار الفاظ ان زبانوں میں پہنچ کر ان کا جزو لاینفک بن گئے، ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ واضح انداز سے عربی نے مشرقی زبانوں مثلاً" فارسی، ہندوستانی اور ترکی کو لفظوں کا خزانہ بخشا اور یورپ اور ایشیا کی اکثر و بیشتر مشہور زبانوں میں سائنس اور تجارت سے متعلق اصطلاحیں عربی زبان سے لی گئیں، اور ان زبانوں میں بہت سے لفظوں کی اصل عربی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی زبانیں، خصوصاً ہسپینی زبان عربوں کے زیر حکومت پروان چڑھی، اس کے علاوہ بحر روم کے ساحلی علاقوں میں بولی جانے والی دوسری زبانیں، مثلاً

اطالوی، فرانسیسی وغیرہ صدیوں تک عربی سے استفادہ کرتی رہیں، بلکہ گمان غالب یہ ہے کہ روم اور یونان کی کلاسیکی زبانوں نے بھی عربی سے کسی حد تک استفادہ کیا ہوگا،

عربوں کو اپنی زبان اور ادب کی جامعیت پر ہمیشہ ناز رہا ہے، اور اپنے مذہب اور کلچر کو انھوں نے دوسرے مذاہب اور کلچروں کے مقابلہ میں برتر سمجھا ہے، اس لیے ان کے دلوں میں کبھی یہ گمان بھی نہیں گزرا کہ ان کی زبان بھی دنیا کی دیگر اقوام بالخصوص ہندوستانیوں سے الفاظ مستعار لیے ہوں گے یہ واضح رہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی ایسی نہیں ہے جس میں دوسری زبانوں کے الفاظ موجود نہ ہوں، کیونکہ کوئی قوم ہمیشہ الگ تھلگ نہیں رہ سکتی، اور فطرت کا یہ قانون ہے کہ جب دو مختلف قومیں آپس میں ملتی اور ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں، تو ان کے الفاظ بھی ایک دوسرے کی زبان میں داخل ہو جاتے ہیں، البتہ بعض اوقات ایسے لفظوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور بعض اوقات زیادہ، اور جب ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہوتے ہیں تو ان سے اس قوم کی برتری کا اظہار بھی ہوتا ہے جس کی زبان سے وہ الفاظ لیے جاتے ہیں، اگرچہ اس برتری کی نوعیت زمانے کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔

اس اصول کے اعتبار سے موجودہ اور کلاسیکی عربی میں بہت سے الفاظ غیر ملکی زبانوں کے ہیں، اور اس کے مزاج اور عناصر سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان میں تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں، جسے اصطلاح میں" تعریب" اور ایسے لفظوں کو" مولدہ" کہتے ہیں،

سنسکرت اور عربی زبان میں کچھ خارجی مماثلت بھی ہے، مثلاً کلمہ کی تقسیم یا تثنیہ کا صیغہ دونوں میں مشترک ہیں لیکن زبان کی اندرونی ساخت کے اعتبار سے دونوں زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، عربی زبان میں ہمیں چند الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں جن کی اصل ہندوستانی ہے، ان میں سے بعض الفاظ عربوں اور ہندوستانیوں کے درمیان تجارتی تعلقات کی بنا پر داخل ہوئے اور بعض اس زمانہ کی یادگار ہیں جب عباسی خلفاء نے ہندو طبیبوں، نجومیوں اور ریاضی دانوں کو دعوت دیکر بغداد بلایا تھا،

زمانۂ قدیم میں ہندوستان اور ان بڑی سلطنتوں کے درمیان تعلقات قائم تھے جو عہد حاضر کے مشرق وسطیٰ میں واقع تھیں، اس حقیقت کی سب سے پہلی شہادت ہٹِٹ (Hittite) بادشاہوں کے کتبوں میں ملتی ہے، جن کا عہد ۱۴ تا ۱۵ صدی قبل مسیح ہے، ان بادشاہوں کے نام آریائی تھے اور وہ ان دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن کی آریا پرستش کرتے تھے، اور شکل و شباہت کے اعتبار سے بھی وہ پنجاب کے آریاؤں سے مماثلت رکھتے تھے، اتر کے مقام پر چاند کے مندر میں اور بنو خد نصر کے شاہی محل میں چھ صدی قبل مسیح ہندوستانی ٹیک (Teak) کے شہتیر لگائے گئے تھے۔

شالمانصر سوم (۸۰۰ قبل مسیح) کے تعمیر کردہ مینار پر ہندوستانی بن مانس اور بکری نما اونٹوں کی تصویریں کندہ ہیں۔

یہودیوں کی تاریخ کے بیان کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام (۸۰۰ قبل مسیح) کے عہد میں ٹائر (Tyre) کے بادشاہ ہیرام نے مشرق کے سفر کے لیے ایک بحری بیڑا روانہ کیا تھا، جو واپسی کے وقت اپنے ساتھ سونا، چاندی، ہاتھی دانت، بن مانس، مور اور بہت سے المگ کے درخت اور قیمتی پتھر لے گیا تھا، جس بندرگاہ پر یہ سامان جہاز میں لادا گیا اس کا نام "اوپھر" تھا، بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہ بندرگاہ ہندوستان میں واقع تھی اور غالباً اس کا نام "ابھیرا یا سپترا" ہوگا، مگر اسکی جائے وقوع کے بارے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ مسلّم ہے کہ اوپر جن تجارتی اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان کے ناموں کے ماخذ ہندوستانی ہیں، مثلاً ہاتھی دانت کو یہودیوں کی کتاب میں "شین یا بن" کہا گیا ہے، جو سنسکرت "ایبھا دانتا" کا لفظی ترجمہ ہے۔ "المگ" سنسکرت یا تامل میں "وال گو" ہے، یونانی کا سانتالن (صندل، صندل کی لکڑی) سنسکرت "چندنا" سے ماخوذ ہے، بن مانس کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عبرانی نہیں ہے، اس کیلئے لفظ "کوپھ" استعمال کیا گیا ہے جو غالباً سنسکرت لفظ "کاپی" کی ایک شکل ہے، مور کے لیے "تھوکی ام" استعمال کیا گیا ہے، تامل میں "توکی" ہے، ہندوستانی ناموں کے اس استعمال سے واضح ہوتا ہے کہ ان لفظوں کی اصل ہندوستانی ہے۔

دوسری جانب رگ وید اور بدھ مت کے لٹریچر (مثلاً باوِرُو جاٹکا، سُمُدّ وانِجا جاٹکا، سوندری جاٹکا وغیرہ) میں بحری سیاحتوں کا جا بجا ذکر ملتا ہے، رگ وید اور بدھ مت کے لٹریچر کے جن حصوں میں عربی سیاحتوں کا ذکر ہے، اگرچہ وہ بہت پرانے نہیں ہیں لیکن قدیم روایات کا پتہ ضرور دیتے ہیں، اس میں کسی شک کی گنجایش نہیں کہ بحری تجارت ہندوستانی بندرگاہوں کے ذریعہ ہوتی تھی جن میں سے چند پرانی بندرگاہوں کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

وائیبل، نیرون (موجودہ حیدرآباد سندھ۔ پٹالا (دریائے سندھ کے دہانے پر)
سرپراکا۔ سوپارا ۔ بارِی گازا۔ بھری گوکچھ، بھڑوچ
پاُمیٹھان۔ ٹگارا ۔ دھرورز۔ کالیٖا (کالین)
سیمولا (چیمبر) موزیرس ۔ نیل کنڈا۔ سیراسٹرا۔
اری ایک ۔ مور ولیا۔ کوناگڑھ ۔ گنج
سکوکندیپ ۔ تمرلپتی

ہندوستانی بحری بیڑے خلیج فارس سے گزرتے ہوئے ادینا، یودائمن، سیراف، قیس (کش)، ہرمز، سقوطرا (سنسکرت "سوکھاترا" عربی "الاسقوطرا" گیڈروسیا) تک پہنچتے تھے، پورے تین ہزار سال تک ہندوستان پرانی دنیا کا گویا دل بنا رہا، اور اس کے انداز فکر اور طرز معاشرت پر اثر انداز ہوتا رہا، پرانی دنیا میں بحری تجارت کے لحاظ سے جو ممالک نمایاں اور ممتاز سمجھے جاتے تھے، ہندوستان ان میں کسی سے پیچھے نہ تھا، عرب اور سقوطرا میں ہندوستانی تجارتی منڈیاں موجود تھیں، بلکہ عرب اور فارس کے تمام بڑے شہروں اور افریقہ کے ساحلی علاقوں میں بھی اس کی تجارتی منڈیاں موجود تھیں، اور ہندوستان کا تجارتی تعلق نہ صرف ایشیا بلکہ اس وقت کی پوری متمدن دنیا سے تھا، صدیوں تک ہندوستان پوری دنیا کو آرائش کا سامان بہم پہنچاتا رہا، اور اس لحاظ سے وہ ایک انفرادی حیثیت رکھتا تھا،

عرب . ہندوستان کو فرین کن سنس (ایک قسم کی خوشبو جو یہاں کے مندروں میں جلائی جاتی تھی) ، بادام ، خوشبودار گوند ، موتی ، کھجور ، شراب وغیرہ بھیجا کرتا تھا ۔ اور ہندوستان سے گول مرچ ، پان ، ہاتھی دانت ، دارچینی ، تیزپات ، ادرک ، زمرد ، باریک ململ ، عطریات ، ہاتھی ، صندل ، لکڑیاں ، رنگنے کے مسالے ، سینگ ، آبنوس ، قیمتی پتھر مثلاً لعل ، سنگ سلیمان ، لاجورد اور جیسپر (رنگ برنگ کے قیمتی پتھر) وغیرہ ، مشرق وسطی اور رومی ، یونانی دنیا کو بھیجے جاتے تھے ۔

اس طرح مسلمانوں کی فتح ہند سے صدیوں پیشتر مذکورۂ بالا بندرگاہوں کے ذریعہ ہندوستانی الفاظ عربی زبان میں داخل ہوئے ۔

اب ذیل میں ان عربی لفظوں کی ایک مختصر سی فہرست دیجاتی ہے جن کی اصل ہندوستانی ہے ۔

سنسکرت	عربی
۱ - چندن	صندل
۲ - تمبولا (پان)	تنبول
۳ - مُسکا	مسک
۴ - کاربورا	کافور
۵ - کانک پھلا	قرنفل
۶ - پپلی	فلفل
۷ - پوگا پھلا (سپاری)	فوفل
۸ - شرنگابیرا یا شرنگاویرا	زنجبیل (ادرک خشک)
۹ - نیلوت پلا	نیلوفر
۱۰ - الاچی	ہیل

سنسکرت	عربی
۱۱ - جاتی پھلا	جانفل
۱۲ - تری پھلا	اطریفل
۱۳ - دی بھی تکا (ہیرا)	بلیلج
۱۴ - ہری تکی	ہلیلج
۱۵ - کارپاسا (روئی)	قرفس
۱۶ - نیلا	نیلج
۱۷ - پٹا (جوٹ)	فوط (دھاری دار کپڑا)
۱۸ - موچکا	موز
۱۹ - ناری کیلا	نارجیل
۲۰ - آمرا (آم)	انج
۲۱ - نمبوکا (لیمو)	لیمون
۲۲ - تیج پاترا	ساذج ہندی
۲۳ - ویہا (زہر)	بیش
۲۴ - کھنڈا	قند (فارسی) نبات (عربی)
۲۵ پلاتا	فالودج
۲۶ - شرکرا	شکر (فارسی) سُکّر (عربی)
۲۷ - چتُرنگا	شطرنج (درمیانی پراکرت - شترنگ (فوج کے چار ارکین یعنی ہاتھی ، گھوڑا ، رتھ اور گھڑسوار)

سنسکرت	عربی
۲۸ - ٹھا	طشت
۲۹ - وینا	دین
۳۰ - ونشیکا	ونج (بانسری) اسی سے لفظ ونجک بنا ہے جس کے معنی تار والے ساز کے ہیں۔
۳۱ - مہیشا (بھینس)	جاموس
۳۲ - کاپی	کبی
۳۳ - تاواراج (سفید شکر)	تبرزد، طبرزد
۳۴ - ساکھا (درخت کی ٹہنی)	ساج (اصل میں یہ لفظ "ساگ" ہے، ایک قسم کی لکڑی جسے ٹیک کہتے ہیں)
۳۵ - تنبورہ	طنبورہ
۳۶ - توکی (مور، تامل)	طوغان، طوطی، طنبر، طاؤس
۳۷ - سری مرا	سمور

جو الفاظ پہلے ہی سے عربی میں داخل تھے بعض اوقات عربوں نے ان میں لفظ "ہندی" کا اضافہ کرکے معرب کرلیا، مثلاً عود ہندی، قسط ہندی، تمر ہندی وغیرہ، جہازرانی سے متعلق عربی سیاحت ناموں اور جغرافیہ میں بھی نصف درجن الفاظ ایسے ملتے ہیں جن کی اصل ہندوستانی ہے، مثلاً بارجا (جمع بوارج، بمعنی بحری ڈاکو) یہ لفظ "بیڑا" کی معرب شکل ہے، اس طرح لفظ دونیج (جمع دوانج) ہے جس کے معنے چھوٹی کشتی کے ہیں، ہندوستانی میں یہ لفظ ڈونگی یا ڈینگی ہے۔

قائم چاندپوری کا تذکرہ

"مخزنِ نکات"

از جناب ڈاکٹر محمد عرفان صاحب لکچرار شبلی کالج اعظم گڈھ

قائم چاندپوری ان شعرا میں سے ہیں جن کی وہ شہرت نہ ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے، قائم، میر، سودا، اور درد کے دور کے شعرا میں ہیں، اس لیے ان کی شاعری میں بھی تقریباً وہی خصوصیات ملتی ہیں جو اس دور کا خاصہ تھیں لیکن چند وجوہ کی بنا پر نہ ان کو مقبولیت حاصل ہوسکی اور نہ ان کا کلام شائع ہوسکا، قائم نے دیوان کے علاوہ ایک تذکرہ مخزن نکات بھی یادگار چھوڑا ہے، یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو سے مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے شائع کیا ہے اس مضمون میں اسی تذکرہ کی نسبت کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔

تذکرہ نویسی اپنے ابتدائی دور میں فارسی تذکرہ نویسی کی نقل رہی ہے یہی وجہ ہے کہ جب اردو شعرا کے تذکرے مرتب ہونے لگے تو ان میں نہ صرف اصول تصنیف میں فارسی تذکروں کی تقلید کی گئی بلکہ ان تذکروں کی زبان بھی فارسی ہی رہی، چنانچہ گارسان دی تاسی[1] نے کم و بیش ایسے ۱۱۳ تذکروں اور بیاضوں کا ذکر کیا ہے، ان میں صرف چھ تذکرے ایسے ہیں جو اردو میں لکھے گئے ہیں، باقی سب کی زبان فارسی ہے، ہماری تذکرہ نویسی کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس میں شاعری کی طرح نقل و تکرار کی کثرت ہے، ہر دور میں صرف ایک دو تذکرے ایسے نکلتے ہیں جن کو ہم حقیقی معنوں میں اوریجنل کہہ سکتے ہیں، دراصل

[1] خطبات گارسان دی تاسی

یہی تذکرے مرکزی اہمیت رکھتے ہیں، ڈاکٹر سید عبد اللہ[1] نے تذکرہ نویسی کے ادوار قائم کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"اردو تذکرہ نویسی اپنے ارتقائی سفر میں تین بڑے مراحل سے گذرتی ہے، میر تقی میر کا نکات الشعرا پہلا سنگ میل ہے،
دوسرا دور گلزار ابراہیم سے شروع ہوتا ہے جس میں تذکرہ نویسی پر جدید اثرات کا پرتو پڑتا ہے، اس لیے کہ یہ کتاب
کسی حد تک جدید ماحول میں لکھی جاتی ہے، اور اس میں بعض ایسی خصوصیات نظر آتی ہیں جو سابقہ
تذکروں میں مفقود تھیں، کریم الدین کے تذکرۂ شعراء کی اشاعت سے تذکرہ نویسی میں لٹریری ہسٹری
کا رجحان پیدا ہوتا ہے (مخزن نکات میں بھی یہ میلان موجود ہے مگر (دھیما) مولانا آزاد کی کتاب آب حیات
میں تذکرہ کی خصوصیات کم سے کم پائی جاتی ہیں، اور یہ اردو شاعری کی پہلی حقیقی تاریخ ہے۔"

اردو کے قدیم تذکروں میں اولیت کس تذکرہ کو حاصل ہے، اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے تحقیق کی
ہے، دی تاسی کا خیال ہے کہ "میر تقی میر کے تذکرے سے بھی پہلے کئی تذکرے موجود رہے ہوں گے[2]۔" مولوی
عبد الحق صاحب نے پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے:۔

"چند تذکرے میر صاحب سے قبل بھی لکھے گئے تھے، مثلاً تذکرہ سید امام الدین خان بعہد محمد شاہ
جس کا حوالہ میر حسن نے اپنے تذکرے میں دیا ہے، تذکرہ خان آرزو، مگر یہ تذکرہ فارسی شعرا کا ہے[3]،
تذکرۂ سودا، اس کا حوالہ دو جگہ قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے مجموعہ نغز میں دیا ہے۔"

لیکن اب امام الدین خان آرزو، سودا اور خاکسار کے تذکرے موجود نہیں ہیں، اس لئے یہ کہا جا سکتا
ہے کہ اس وقت جتنے تذکرے موجود ہیں ان میں تذکرہ نکات الشعرا کو تقدم حاصل ہے، حالانکہ قائم نے
مخزن نکات میں اولیت کا دعویٰ کیا ہے[4]،

"محتجب نماند کہ تا علی الاعلان در ذکر بیان اشعار و احوال شعرائے ریختہ کتاب تصنیف
نگردیدہ تا ایں زمان ہیچ انسان از ماجرائے شوق، افزائے سخن در ایں فن سطرے تالیف

[1] شعرائے اردو کے تذکرے، ص ۱۱ [2] خطبات ص ۳، ۴، [3] دیباچہ نکات الشعراء [4] تذکرہ مخزن نکات ص ۱

نرسانیده، بنابریں فقیر مولف محمد قیام الدین عبد کوشش تام و سعی تمام در دواوین ایں اعزا فزودم
آورده پارهٔ ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل ایں بیاض کہ بہ مخزن نکات موسوم است
بقید قلم در آورده۔"

ڈاکٹر عبد الحق نے قائم کے تذکرے کے دیباچے میں لکھا ہے:۔

"اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے، جو اب تک نایاب تھا،
اور اب شائع کیا جاتا ہے، قائم کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کوئی تذکرہ شعرائے ریختہ
کے بیان میں نہیں لکھا گیا، یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔"

ڈاکٹر عبد الحق نے اپنی تحقیق کی بنا پر میر تقی میر کے تذکرۂ نکات الشعرا کا سن تصنیف ۱۱۶۵ھ
بتایا ہے، تذکرۂ ریختہ گویان کا سنہ تصنیف ۱۱۶۶ھ اور مخزن نکات کا سنہ تصنیف ۱۱۶۸ھ بتایا ہے،
جو اس کے نام سے نکلتا ہے، مولوی عبد الحق صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم کر لینے پر بھی سوال پیدا ہوتا
ہے کہ اگر قائم کو میر کے تذکرے کی اطلاع نہ تھی تو پھر دونوں تذکروں کی بعض عبارتوں میں یکسانی
کہاں سے آگئی ہے، اگر ہم دونوں تذکروں کی شروع کی عبارت کا مقابلہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ
جہاں میر تقی میر نے فارسی الفاظ استعمال کیے ہیں وہاں قائم نے عربی الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کے
علاوہ جس جگہ ریختہ کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی اقسام بتائی گئی ہیں وہاں بھی دونوں تذکروں کی
عبارتیں ملتی ہیں، اسی لیے غضنفر صاحب نے لکھا ہے

"معلوم ہوتا ہے کہ چراغ سے چراغ جلا ہے، خواہ میر صاحب کا تذکرہ پیش نظر ہو یا میر صاحب سے
زبانی گفتگو میں یہ بحث منقح ہوئی یا عام طور سے شعرا میں ریختہ کی یہ قسمیں مشہور ہوں[1]،"

قائم کے تذکرے مخزن نکات پر تنقید کرتے ہوئے سعیدی صاحب نے قائم کے دعویٰ اولیت کو نہیں
مانتے، ان کا خیال ہے کہ قائم نے اولیت کا جو دعویٰ کیا ہے وہ غلط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ دونوں تذکروں کے

[1] "اردو" جنوری و اپریل ۱۹۵۰ء ص ۱۵۹،

مقابلہ[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ نکات الشعرا کی تالیف کے وقت بعض شعرا بقید حیات تھے، جو مخزن نکات کی تصنیف کے وقت وفات پا چکے تھے۔ اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قائم کا تذکرہ، میر تقی میر کے تذکرے سے موخر ہے، مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قائم اس سے کیوں بے خبر رہے، اور اس صورت میں جب دونوں کی عبارتوں کو ہم یکساں پاتے ہیں، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قائم نے میر کے تذکرہ کو نہیں دیکھا تھا، پھر انھوں نے اپنی اولیت کا دعوی کیسے کر دیا، اس سلسلہ میں ہمیں تھوڑی سی قیاس آرائی سے کام لینا پڑےگا، میر اور فتح علی گردیزی کے تذکروں میں زمانی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر شعرا کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے قائم انکو بیاض سمجھتے تھے، تذکرہ نہیں مانتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے تذکرہ میں تاریخی ادوار کی ترتیب سے شاعروں کا حال لکھا ہے، اور اس نقطۂ نظر سے انھوں نے اپنے تذکرہ کو اردو کا پہلا تذکرہ مانا ہے، یا پھر یہ مان لیا جائے کہ دونوں تذکرے لکھے جا چکے تھے مگر ان کی اشاعت نہیں ہوئی تھی، اس لیے قائم نے ان سے لاعلمی ظاہر کی، مگر اس کے مقابلہ میں پہلا قیاس درست معلوم ہوتا ہے،

سید صاحب نے اپنے مضمون میں قائم کے تذکرہ پر رائے دیتے ہوئے لکھا ہے:

کل شاعر جن کی تعداد اس میں درج ہے، ایک سو دس[2] ہے۔"

لیکن یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ مولوی عبدالحق نے تذکرے کے دیباچے میں لکھا ہے: "اس میں قائم سمیت ۱۱۴ شعرا کا تذکرہ ہے۔"[3] ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی یہی لکھا ہے،[4] قائم نے اس تذکرہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، طبقۂ اول میں متقدمین کا، طبقۂ دوم میں متوسطین کا اور طبقۂ سوم میں متاخرین کا ذکر ہے، ہر طبقے کے شروع میں اس طبقے کے شعرا کی خصوصیت کا مختصر ذکر ہے، اور ان کی رائے اس بارے میں بہت صحیح، واضح اور صاف ہے، تذکرہ نگاری میں یہ تاریخی احساس سب سے پہلے قائم کو ہوا، اور یہی احساس ادب کی تاریخ نگاری کی جانب ہے، جو آگے چل کر آب حیات کی شکل میں ظاہر ہوا،

[1] نگار، ستمبر ۱۹۲۵ء ص ۱۱ [2] دیباچہ مخزن نکات ص ۶ [3] شعرائے اردو کے تذکرے ص ۲۴

سید محمد صاحب نے گلشن گفتار کے دیباچہ میں لکھا ہے "پروفیسر آزاد نے اسی کتاب کے نوٹوں کو چھپا کر اپنی عبارت آرائی کی ہے۔"

طبقۂ اول میں قائم نے ابتدا سعدی سے کی ہے اور اختتام میر جعفر پر کیا ہے، طبقۂ اول کے بیشتر شعرا دکنی ہیں، یوں تو میر تقی میر نے بھی دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے، لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے، انھوں نے عبداللہ قطب شاہ کے عہد سے شاعری کی ابتدا کی ہے، جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے سلطان قلی قطب شاہ اور محمد قلی بڑے شاعر گذر چکے تھے، اگرچہ قائم دکنی ریختے کے زیادہ قائل نہ تھے، لیکن انھوں نے اس کو خاص اہمیت دی ہے، انھوں نے طبقۂ اول کی ابتدا سعدی سے کی ہے، اور ایسے بہت سے شعرا کا ذکر کیا ہے جن کو میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں شامل نہیں کیا تھا، یہ سب ابوالحسن تاناشاہ کے معاصر تھے، قائم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:-

برشناسائے اسلوب سخن مخفی و محتجب نیست کہ از عہد عبداللہ قطب شاہ گرفتہ تا زمانۂ بہادر شاہ کسانے کہ شعرائے ریختہ اند نسق کلام اینہا بسیار مربوط و معقول است ہر چند کہ الفاظ غیر مانوس گوش مردم مستعمل ایشان است لیکن چوں موافق زبان دکنی است درست است۔"[1]

سعدی کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ گجرات آئے تو یہاں زبان سے واقفیت حاصل کر کے ایک دو غزلیں ریختے میں لکھیں، مگر قائم کی یہ رائے غلط ہے، ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر سید عبداللہ دونوں نے اس سے اختلاف کیا ہے،[2] معلوم ہوتا ہے قائم، سعدی کے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے، اور انھوں نے سعدی دکنی کو سعدی شیرازی کے نام سے موسوم کر دیا، ورنہ انھوں نے ہر ایک تذکرہ نگار سے زیادہ دکنی شعرا کو اہمیت دی ہے۔

[1] مخزن نکات ص ۱۳ [2] دیکھیے دیباچہ مخزن نکات ص، و شعرائے اردو کے تذکرے ص ۴۳

مخزن نکات کا طبقۂ دوم سخن وران متوسطین کے بیان میں ہے، اس دور کی ابتدا قائم نے شاہ مبارک آبرو سے کی ہے، اور اختتام کمترین پر کیا ہے، کمترین کے متعلق لکھا ہے:-

"در عالم ہزل گوئی و ہجو پردازی نظیر خود نہ داشت چنانچہ ہفت صد شعر در مذمت اہل حرفہ بر سبیل شہر آشوب از وے یادگار است ہمیں سال از جہاں رفت۔"[1]

طبقۂ سوم شعرائے متاخرین کے بیان میں ہے، اس دور کی ابتدا امیر شمس الدین فقیر سے کی ہے اور اختتام خود اپنی ذات پر کیا ہے، اور خاکساری کی بنا پر اپنے حالات بہت مختصر لکھے ہیں، اپنا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

"آلودۂ انواع جرائم فقیر مولف قیام الدین قائم ہر چند از باشندگان قصبۂ چاند پور است اما از بدو شعور تا بہ ایں حال بتوسل نوکری بادشاہی بدار الخلافت شاہجہان آباد گذرانده و لیل و نہار بمقتضائے مناسبت بصحبت سخن سنجاں عالی مقدار بسر بردہ۔"[2]

اس تذکرہ میں قائم نے جو انداز اختیار کیا ہے اس کی تعریف مولوی عبد الحق صاحب نے اس طرح کی ہے: "بیان صاف اور سیدھا ہے، عبارت آرائی اور تشبیہ و استعارہ سے کم کام لیا ہے۔"[3]

قائم کے تذکرہ کو تذکرہ نویسی کی تاریخ میں اولیت حاصل نہ سہی پھر بھی اس کو ایک نمایاں مقام ضرور حاصل ہے۔ ان کے تذکرہ سے ان کی تنقیدی و ادبی صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے انھوں نے کسی نمونے کے بغیر تذکرہ نویسی کا کمال بڑی خوبی سے ظاہر کیا ہے، قائم کے تذکرہ کا اگر ہم اس دور کے دوسرے تذکروں سے تقابلی مطالعہ کریں تو قائم کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے، قائم کے تذکرے میں چند ایسی خوبیاں نظر آتی ہیں جو دوسرے تذکرہ نگاروں کے یہاں مفقود ہیں، مختصر الفاظ میں تنقید اور سیرت نگاری بہت ہی مشکل اور کسی رو رعایت کے بغیر

[1] مخزن نکات ص ۳۲ [2] ایضاً ص ،، [3] مقدمہ مخزن نکات ص ،

رائے کا اظہار تنقیدی دیانت کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی سیرت نگار یا نقاد اپنے موضوع کی اصلی تصویر کشی نہیں کر سکتا تو بقول ڈاکٹر جانسن اس کو ایسے موضوع کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہیے، قائم نے اپنے تذکرے میں پوری دیانتداری سے کام لیا ہے، میر تقی میر کی طرح غرور و خود بینی کا شکار ہو کر نہ اپنے ہمعصروں کا مذاق اڑایا ہے اور نہ انکی تنقید میں طنز و تلخی ہے، دوسری طرف قائم نے فتح علی گردیزی کی طرح جوابی تذکرہ بھی نہیں لکھا ہے اور نہ دوسروں کا شکوہ کیا ہے۔ اور نہ اپنے دوستوں کی بے جا تعریف کی ہے، چنانچہ ڈاکٹر سید عبد اللہ نے میر تقی میر کی تعریف کرتے ہوئے قائم کی اس خوبی کا اعتراف کیا ہے کہ "قائم نے میر کی مخالفت کو اپنا صحیح نصب العین قرار نہیں دیا بلکہ اعتدال اور توازن کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ قائم خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے، چنانچہ بعض لوگ ان کو سودا پر ترجیح دیتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرے میں حسن ذوق کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔"[4]

قائم کی تنقیدوں سے ان کے غیر جانبدارانہ صحیح ذوق تنقید کا پتہ چلتا ہے۔ یہ چیز نہ صرف اس دور کے تذکروں میں نایاب تھی، بلکہ دوسرے اور تیسرے دور کے تذکرے بھی اس عیب سے پاک نہیں، قائم کی اس سلسلہ میں جتنی تعریف کی جائے کم ہے، انھوں نے صحیح تذکرہ نویسی اور تنقید نگاری کا نمونہ پیش کیا ہے، اور ان کا تذکرہ اس حیثیت سے اردو تذکرہ نگاروں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتا ہے، اور اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کرتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس دور میں اس تذکرہ کو خاطر خواہ شہرت حاصل نہ ہو سکی، اس لیے کہ اس کا مصنف ایک گمنام شاعر تھا، وہ میر تقی میر کی طرح مشہور عالم نہ تھا،

مخزن نکات کی دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قائم نے اردو شاعری اور تنقید کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے تذکرہ میں اردو شاعری کے مختلف ادوار قائم کر کے ہر دور کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے، میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں کچھ نیم تاریخی سی ترتیب رکھی ہے، مگر قائم نے اس معاملہ میں قدرے

[4] شعرائے اردو کے تذکرے ص ۴۲

اصول بندی سے کام لیا ہے، جس کی صراحت ڈاکٹر عبداللہ نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"قائم نے اس معاملے میں قدرے اصول بندی سے کام لیا ہے، اور ہر دور کے شروع میں اس دور کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں، تذکرہ نگاری میں یہ تاریخی احساس لٹریری ہسٹری کی طرف رجحان کا پہلا قدم ہے، جو آگے چل کر آب حیات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے"۔

قائم کے تذکرے کی یہی خوبی اس تذکرے کو تمام دوسرے تذکروں سے افضل بناتی ہے، اس خوبی نے اردو تنقید کے میدان میں دوسرے نامور نقادوں کو راہ دکھائی ہے، یہ قائم کی ذہانت تھی کہ انھوں نے اپنے لیے ایسا راستہ نکالا جس پر ہر تذکرہ نگار نے چلنا ضروری سمجھا، قائم کی انفرادیت اور ذہانت کی بدولت تذکرہ مخزن نکات تنقیدی اصول کا نصاب بن گیا، اور جیسے جیسے تنقید کا علم وسیع ہوتا جائیگا اس کی قدر و منزلت بڑھتی جائے گی، اور وہ فن کے لحاظ سے بہترین تذکرہ مسلّم ہو جائے گا، اسپرنگر (Sprenger) نے لکھا ہے "The book is the most valuable work for the early history of Hindustani literature"

مخزن نکات کی تیسری خوبی یہ ہے کہ قائم سے پہلے جو تذکرے لکھے گئے تھے، ان میں دکنی شعرا کو وہ جگہ دی گئی تھی جس کے وہ مستحق تھے، ان کے حالات کی فراہمی میں کوئی کاوش نہیں کی گئی تھی، میر تقی میر نے تو شعرائے دکن کو بالکل ساقط الاعتبار قرار دیا ہے فتح علی گردیزی نے اپنے تذکرے میں جو میر تقی میر کے تذکرہ کا جواب ہے، دکن کے ان شعرا کا ذکر نہیں کیا ہے، جن کے تخلص گنا کر میر صاحب نے شعرا کی فہرست طویل کی تھی، قائم نے اپنے تذکرہ میں اس کمی کی تلافی کرنے کی کوشش کی ہے، اور اپنے تذکرہ میں دکنی شعرا پر کافی روشنی ڈالی ہے، اس سے انھوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اردو شاعری صرف شمالی ہند کے شعرا کی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں دکنی شعراء کا بھی اہم حصہ ہے، ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم نے قائم کے تذکرہ کی اس خوبی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے "اگرچہ میر تقی میر نے بھی اپنے نکات الشعرا میں دکن کے شعرا کا ذکر کیا ہے لیکن قائم نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ہے"۔[۱]

قائم کے تذکرے کا میر تقی میر کے نکات الشعرا سے مقابلہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ میر اور قائم کے تذکروں میں مواد کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں، لیکن تذکرہ نویسی کے اصول و معیار کے لحاظ سے قائم کا تذکرہ میر کے تذکرہ سے بڑھا ہوا ہے، میر کے یہاں وہ غیر جانبداری اور تاریخی شعور نہیں جو قائم کے تذکرے میں ہے، تاہم ایک چیز میں میر تقی میر، قائم سے بڑھے ہوئے ہیں، سیرت کی مصوری میں میر کو جو ید طولیٰ حاصل ہے وہ قائم کو نصیب نہیں، ان کے الفاظ نہایت جامع اور پر معنی ہوتے ہیں، فتح علی گردیزی کا تذکرہ صرف ایک جوابی تذکرہ ہے، جو میر تقی میر کے جواب میں لکھا گیا تھا، اس کی کوئی ادبی و تاریخی اہمیت نہیں اس میں بیشتر شعرا کا حال میر صاحب کے تذکرے سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے، اس کو قائم کے تذکرے سے دور کی بھی نسبت نہیں، دوسرے تذکرہ نگاروں کی طرح قائم نے نہ بیجا اعتراض کیا ہے اور نہ بے وجہ مدح سرائی کی ہے، بہت مختصر الفاظ میں شاعر کا تعارف کرایا ہے، اور اس کے کلام کی خوبی اور نقص کو واضح کیا ہے، یہ اختصار اس تذکرہ کی کمی ہے، لیکن اس میں قائم کا قصور نہیں اس دور کا جو انداز تھا، قائم نے بھی اسے برتا ہے، قائم کے بھی دوست اور دشمن تھے، مگر انھوں نے اپنے تذکرہ میں دوستی یا دشمنی کی بنا پر کسی کو مقبول یا مردود قرار نہیں دیا ہے، جیسا کہ اکثر جگہ میر تقی میر اور فتح علی گردیزی کا نے کیا ہے ان خوبیوں کو پیش نظر رکھ کر تمام نقادوں نے مانا ہے کہ قائم کا تذکرہ اردو کے اولین تذکروں میں اپنی منصفانہ تنقید کی وجہ سے ایک نمایاں درجہ رکھتا ہے، یہی حقیقی معنوں میں پہلا تذکرہ ہے اور صحیح تنقید کا پہلا نمونہ ہے۔

---

[۱] دیباچہ مخزن نکات ص ۶

کچھ مظہر کے سلسلے میں

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے

جناب پروفیسر سید حسن صاحب پٹنہ نے مظہر ہندی مداح فیروز تغلق اور عزالدین مظہر بن عبد اللہ الحسینی مداح شاہ شجاع فرمانروائے شیراز کو ایک ہی شخص ثابت کرنے کے سلسلے میں لکھا ہے:-

"جنگ مذکور [وزیر تاج الدین احمد کی بیاض] میں اس [مظہر ایرانی] کا نام عزالدین لکھا ہے، مآثر الامراء اور تاریخ فرشتہ میں عہد فیروز شاہ کے ایک شاعر عزالدین کا نام لیا گیا ہے جس نے بھٹہ کی فتح کے موقع پر بعض سنسکرت کی کتابوں کا نظم میں ترجمہ کرکے سلطان فیروز شاہ کو پیش کیا تھا، گمان ہوتا ہے کہ یہ وہی عزالدین شاعر ہے جس کا تخلص مظہر ہے، مظہر کا ایک قصیدہ بھی موجود ہے جو اس نے فتح کی تہنیت میں لکھا تھا۔"

دو باتیں قابل غور ہیں:-

(۱) عہد فیروز شاہی کے مترجم شاعر کا نام "اعزالدین خالد خانی" تھا، نہ کہ عزالدین، (اگرچہ طبقات اکبری کے نولکشور ایڈیشن میں یہ نام "عزالدین خالد خانی" (بغیر الف قبل عزالدین) چھپا ہے، مگر تاریخ فرشتہ مطبوعہ نولکشور پریس میں یہ نام اعزالدین بن خالد خانی (باثبات الف قبل عزالدین) طبع ہوا ہے، مولانا عبد الحئی صاحب مرحوم نے بھی نزہتہ الخواطر (ج ۲ ص ۱۵) میں اسے اعزالدین ہی پڑھا ہے،

(۲) سنسکرت کتابوں کے ترجمہ کا واقعہ ٹھٹھہ کی فتح کے سلسلے میں (جس کی تہنیت میں مظہر نے قصیدہ لکھا تھا) پیش نہیں آیا بلکہ نگرکوٹ کی فتح کے موقع پر ظہور میں آیا تھا، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں (جس کا پروفیسر صاحب نے حوالہ دیا ہے) لکھا ہے (ج ۱ ص ۱۴۷ - ۱۴۸)

"نگرکوٹ را بنام سلطان محمد تغلق شاہ مرحوم محمد آباد موسوم گردانید...... یکہزار و سی صد کتاب از براہمہ دریں بتخانہ است کہ بجوالاکھی اشتہار دارد، پادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمود از انجملہ اعزالدین بن خالد خانی کہ از شعرائے آں عصر بود کتابے در حکمت طبیعی و شگون و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ است۔"

فرشتہ کا ماخذ نظام الدین ہروی کی طبقات اکبری ہے، نظام الدین نے لکھا ہے:-

"[بعد بناء حصار فیروز پور] از انجا بجانب نگرکوٹ توجہ فرمود...... راجہ نگرکوٹ بعد از محاصرہ و مجادلہ با فرزندان خود بخدمت سلطان شتافتہ غاشیہ عبودیت بر دوش گرفت و سلطان او را نوازش کردہ نگرکوٹ را بنام سلطان محمد مرحوم محمد آباد موسوم گردانید و دریں وقت بعرض سلطان رسانیدند کہ...... یکہزار و سی صد کتاب از براہمہ سلف دریں بتخانہ است کہ بجوالاکھی اشتہار دارد، سلطان علمائے آں طائفہ را طلب فرمود، بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمود، از جملہ عزالدین خالد خانی کہ از شعرائے عصر او بود کتابے در حکمت طبیعی و شگونات و تفاؤلات در سلک نظم در آوردہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ است...... القصہ سلطان بعد از فتح نگرکوٹ بجانب ٹھٹھہ عزیمت نمود۔"

چونکہ مظہر ہندی نے فتح ٹھٹھہ کی تہنیت میں ایک قصیدہ لکھا تھا، نیز وزیر تاج الدین احمد کی بیاض میں مظہر ایرانی کا نام عزالدین بتایا گیا ہے، اسی لیے پروفیسر صاحب نے مظہر (ایرانی) اور مظہر (ہندی) کو ایک ثابت کرنے کے لیے شعوری یا غیر شعوری طور پر سنسکرت کتابوں کے منظوم ترجمہ کا واقعہ نگرکوٹ کے بجائے ٹھٹھہ کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

ادبیات

خطاب بہ مسلم

از

جناب کریم الرضا خانصاحب وکیل شاہجہانپور

مسلم خوابیدہ او زندانیِ رنج و بلا
ایک دل تیرا ہے مسکن حسرت و افسوس کا

ایک تو پرِ سعادت کا نہیں تجھ تک گذر
ایک چھائی ہے ترے سر پر نحوست کی گھٹا

اک صلائے عام تھی دنیا کو فیاضی تری
آج تو محتاج ہے غیروں کے اک اک جام کا

تری محفل تک گذر ممکن نہ تھا جن کا کبھی
آج تو ہے انکے سنگِ آستاں پر جبہ سا

بے خبر تجھکو خبر ہے گردشِ ایام کی
تری ہستی ہے اہانت عظمتِ اسلام کی

شوکتِ دیرینہ مسلم کی بھی ہے تجھکو خبر
کیا کبھی اسلاف کی تاریخ پر ڈالی نظر

رو رہے ہیں تجھکو غرناطہ کے ایوانِ کہن
نوحہ خوانی کر رہے ہیں تیری سسلی کے کھنڈر

یاد کر وہ شان و شوکت دہلی و بغداد کی
یاد کر عباسیوں کی سلطنت کا کرّ و فر

ناز تھا دنیا کو جس پر ننگِ عالم ہو گیا
یہ بھی اک قانونِ قدرت کا کرشمہ ہے مگر

آسماں تیار ہے تیرے مٹانے کے لیے
آج تو تصویرِ عبرت ہے زمانے کے لیے

جب دلوں میں جرأتِ اسکندری رہتی نہیں
قوم رہ جاتی ہے قومی زندگی رہتی نہیں

غیر کے چشمِ کرم پر ہو اگر تیری نظر
بندگی رہتی ہے شانِ سروری رہتی نہیں

مرکزیت قوم کی ہے وحدتِ فکر و عمل
قوم مرکز سے ہٹے تو قوم ہی رہتی نہیں

قوتِ بازوئے مسلم اعتقادِ ذاتِ حق
جب یہ مل جائیں تو مشکل کوئی بھی رہتی نہیں

لاتخف کے ساتھ خوفِ ماسوا و بوالہوس
قلبِ نامسلم میں روحِ حیدری رہتی نہیں

موت ہے تیری حیات جاوداں ڈرتا ہے کیوں
موت کے آنے سے پہلے اپنے دن مرتا ہے کیوں

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

قرباں ترے مزاجِ تغافل شعار کے
دل سے بھلا دیے ہیں ستم روزگار کے

دردِ حیات کے نہ غمِ روزگار کے
مارے ہوئے ہیں ہم دلِ ناکردہ کار کے

بے کیف عمرِ خضر بھی لیکر میں کیا کروں
دو لمحے بھی بہت ہیں ترے انتظار کے

میں دیکھتا ہی رہ گیا حیرت سے چارسو
پردے میں چھپ گیا مجھے کوئی پکار کے

دم بھر میں آشنائے حقیقت بنا دیا
صدقے میں اپنی لغزشِ بے اختیار کے

اپنی تو زندگی ہے ازل سے خزاں نصیب
اپنی بلا سے آئیں اگر دن بہار کے

جوہر نہ پوچھ مرحلۂ پیچ و تابِ عشق
الجھے ہم اور گیسوئے جاناں سنوار کے

غزل

از جناب گویا جہان آبادی

قدم وہ رکھتے نہیں راہیں نشاں کے لیے زمین چاہیے اک اور آسماں کے لیے

ہجوم اشک و تبسم، جلوسِ ناز و نیاز یہ اہتمام خدا جانے ہیں کہاں کے لیے

بشر کو اس لیے بخشا گیا غم سجدہ بنا بھی تھی کوئی مطلوب لامکاں کے لیے

ہے بات ایک نظر کی، نہ کچھ زماں، نہ مکاں یہ فاصلے ہیں فقط غم کے امتحاں کے لیے

چمن میں کرتے ہیں وہ برق آپ ہی پیدا جو دل تڑپتے ہیں، تعمیر آشیاں کے لیے

بنا دیا ہے زبانِ جہاں خموشی کو نوازشیں ہیں عجب اشکِ بے زباں کے لیے

نہیں ہے حسن و محبت میں کوئی پردہ اور بس اک حجاب نظر کا ہے درمیاں کے لیے

ہے کس کے راز کی آواز دل کی آہوں میں ہزاروں ساز ہیں بے صوت، اک فغاں کے لیے

دلوں میں ضبطِ تبسم نہ کر سکے غنچے قدم چمن میں بہار و نیچے جب خزاں کے لیے

وہ اشک بزمِ نظر میں خموش ہے گویاؔ
زبانِ جلوۂ ساقی ہے جو بیاں کے لیے

کلیات شبلی اردو

مولانا شبلی نعمانی کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہیں

قیمت :- ۶/-

مینجر

بابُ التقریظ والانتقاد

نئے رسالے اور اخبارات

اقبال ریویو - مرتبہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین و خورشید احمد صاحبان، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ۸؎ فی پرچہ ۲؎ پتہ :- اقبال اکاڈمی، پاکستان کراچی،

یہ سہ ماہی رسالہ اقبال اکیڈمی کی جانب سے عرصہ سے نکل رہا ہے، اس کا مقصد ڈاکٹر اقبال کی زندگی، شاعری، حکمت، تعلیم، تاریخ، فلسفہ، ادب، سیاسیات، اخلاقیات، معاشیات، عمرانیات، نفسیات اور اسلامیات وغیرہ سے متعلق ان کے افکار و تصورات کی ترجمانی و تشریح اور ان کے پسندیدہ فنون و موضوعات پر محققانہ مقالات کی اشاعت ہے، اس کے انگریزی اور اردو اڈیشن نکلتے ہیں، اس کا ہر نمبر اقبالیات پر فکر انگیز اور محققانہ مضامین کے علاوہ مختلف النوع علمی و تحقیقاتی مضامین سے بھی مزین ہوتا ہے، اس زمانہ میں ایسے سنجیدہ اور معیاری رسالے بہت کم نظر آتے ہیں، خدا اس کی عمر دراز کرے اور اہل ذوق کو قدردانی کی توفیق دے۔

میثاق - مرتبہ مولانا امین احسن اصلاحی، کاغذ متوسط، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ۶؎ فی پرچہ ۶۰ نئے پیسے، پتہ: مینجر ماہنامہ میثاق، رحمان پورہ، اچھرہ لاہور ۱۲- ہندوستان میں:- مینجر ہفت روزہ ندائے ملت باغ گونگے نواب، لکھنؤ۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے جماعت اسلامی سے الگ ہونے کے بعد یہ علمی و دینی رسالہ نکالا ہے۔

تدبر قرآن، مطالعہ حدیث، اجتماعیات و سیاسیات، مقالات، تراجم و اقتباسات، سیر و سوانح مراسلہ و مذاکرہ اور افاداتِ فراہی وغیرہ اس کے مستقل عنوانات ہیں، بیشتر مضامین مفید، بلند پایہ اور دینی نوعیت کے ہوتے ہیں، فاضل مرتب کے قلم سے "تزکیۂ نفس" اور "اسلامی قانون" پر بہت مفید اور فاضلانہ مضامین نکل چکے ہیں، فتنۂ انکار حدیث کے خلاف مولانا عبد الغفار حسن کی مہم کامیابی کے ساتھ جاری ہے، اس میں احادیث کی دلنشین انداز میں تشریح بھی ہوتی ہے، اور منکرین حدیث کے اعتراضات اور شکوک کا جواب بھی ہوتا ہے، مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تفسیر نظام القرآن نامکمل ہے، اس لیے صاحبِ میثاق جو مولانا کے تلامذہ میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں "تدبر قرآن" کے نام سے اسی نہج پر تفسیر لکھ رہے ہیں، جو بالالتزام میثاق میں شائع ہوتی ہے، اس طرح یہ رسالہ مختلف حیثیتوں سے مفید علمی و دینی خدمات انجام دے رہا ہے، اور اصحاب علم و دین کے مطالعہ کے لائق ہے۔

جامعہ - مرتبہ جناب عبد اللطیف صاحب اعظمی، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، سالانہ چندہ ۱۲ فی پرچہ ۱ر پتہ: رسالہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

یادش بخیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا یہ پرانا ماہنامہ ۱۴ سال کے بعد اب پھر اپنی سابقہ روایات اور خصوصیات کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس میں جامعہ کے علاوہ مختلف اصحاب علم و قلم کے علمی تعلیمی، ادبی، ثقافتی اور سیاسی مختلف النوع مسائل و مباحث پر بلند پایہ مضامین شائع ہوتے ہیں، "حالات حاضرہ" کے عنوان سے سیاسی مسائل پر تبصرہ، اور "کوائف جامعہ" کے عنوان سے جامعہ کے حالات التزام کے ساتھ دیے جاتے ہیں، اہم شخصیتوں مثلاً جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا، ٹالسٹائی اور ابو الکلام آزاد پر مفید مضامین نکلتے رہتے ہیں، ظاہری نفاست و خوشنمائی سے بھی رسالہ آراستہ ہے، غرض دور اول کے جامعہ کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔

اردو نامہ - مرتبہ جناب جوش ملیح آبادی و شان الحق حقی، کاغذ معمولی، طباعت و کتابت

خوبصورت ٹائپ، سالانہ قیمت ۶ر فی پرچہ ۸ر پتہ: ترقی اردو بورڈ شاہراہ نیشنل پارک ڈاگ روڈ کراچی نمبر ۲۹

اردو لغت کی تدوین کے لیے کراچی میں جو بورڈ قائم کیا گیا ہے، اردو نامہ اس کا ترجمان ہے، اس کے لکھنے والے بیشتر مشاہیر اہل ادب ہیں، اس کی ادبی بحثیں بڑی ناقدانہ اور مبصرانہ ہوتی ہیں۔ ادبی و تحقیقی اور سوانحی مضامین کے علاوہ نادرات، شعبۂ مطبوعات، شعبۂ لغت اور اردو کی ترقی کے مسائل اس کے مستقل عنوانات ہیں، اردو لغت کی تدوین اور اس سے متعلق ادبی مباحث کے کچھ نمونے ہر نمبر میں دیے جاتے ہیں، اور اس سے متعلق اعتراضات و جوابات بھی شائع کیے جاتے ہیں، شعبۂ مطبوعات کے عنوان سے کسی اہم ادبی کتاب کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور اردو کی ترقی کے مسائل" کے زیر عنوان اردو الفاظ کی رو سے املا، اردو املا اور رسم الخط وغیرہ مسائل پر اس کے ماہرین رائے زنی کرتے ہیں، اس حیثیت سے یہ رسالہ اردو میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے، اور اردو زبان و ادب کے علمی و ادبی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہے۔

اردو ڈائجسٹ - مرتبہ الطاف حسین قریشی وغیرہ کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، سالانہ چندہ للعہ فی پرچہ عہ پتہ: ۱۹- بیڈن روڈ لاہور، ہندوستان میں: پندرہ روزہ الحسنات، رامپور (یوپی)

اس کا مقصد نام سے ظاہر ہے، اس میں شعر و ادب، نفسیات و سائنس، تاریخ و جغرافیہ، معاشرت و معیشت، طب و صحت اور مزاح و افسانہ وغیرہ مختلف اصناف ادب کے رنگا رنگ اور دلچسپ معلوماتی مضامین کا انتخاب ہوتا ہے، بعض غیر منقول مضامین بھی ہوتے ہیں، ہر نمبر میں کسی مشہور باکمال سے انٹرویو بھی شائع کیا جاتا ہے جس سے انکی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مفید سبق ملتا ہے، طب و صحت اور غذائیات کے زیر عنوان بھی مفید اور کارآمد مضامین ہوتے

ہیں، حیوانات کے عنوان سے خشکی یا سمندر کے حیوانات کے متعلق بہت دلچسپ اور حیرت انگیز معلومات دیے جاتے ہیں، غرض یہ رسالہ رنگارنگ مضامین کا نہایت دلچسپ مجموعہ ہوتا ہے، البتہ شعر و ادب کا معیار نثری مضامین کے مقابلہ میں کمتر ہے، ایک مضمون میں اصغر گونڈوی مرحوم کے متعلق غلطی سے لکھ دیا گیا ہے کہ وہ عرصہ تک دارالمصنفین سے وابستہ رہے، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ بہت دلچسپ اور مطالعہ کے لائق ہے۔

نظام ۔ مرتبہ جناب قمر الدین و منظور احمد صاحبان۔ کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ہیر، فی پرچہ ۳۶ نئے پیسے۔ پاکستان سے للعہ طلباء سے سے ر۔ دفتر ماہنامہ نظام ۱۱۱/۶۲ کرنیل گنج کانپور۔ پاکستان میں مولانا غلام احمد یزدانی، شادی خاں ضلع کیمبل پور

یہ ایک خالص دینی رسالہ ہے، اس میں اسی نوعیت کے مضامین ہوتے ہیں، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کے ملفوظات التزام کے ساتھ اس میں شائع ہوتے ہیں، جو طالب دین مسلمانوں خصوصاً سالکین طریقت کے لیے مشعل ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے کلمات و مواعظ سے بھی رسالہ مزین ہوتا ہے، مظاہر العلوم سہارنپور کے اکابر اور اس سے وابستہ بزرگوں کے سبق آموز حالات بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، باب الاستفسار کے مستقل عنوان سے فقہی سوالات کا جواب دیا جاتا ہے، مجموعی حیثیت سے یہ رسالہ دیندار مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے، لیکن اپنے مخالف مسلک اشخاص اور جماعتوں پر تنقید کا لہجہ کبھی کبھی زیادہ تیز و تند ہو جاتا ہے، جو اس رسالہ کی دینی ثقاہت کے خلاف ہے۔

انوار اسلام ۔ نگراں مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری، مدیر محمد قمر الدین رام نگری، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت معمولی، چندہ سالانہ للعہ فی پرچہ ۶/ر، پتہ: منیجر انوار اسلام رام نگر بنارس۔ پاکستان میں: ڈاکٹر اعجاز حسین قریشی ٹرمین روڈ سمن آباد لاہور

اس رسالہ کا خاص مقصد اسلام کی تبلیغ، اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب اور مسلمانوں کی گروہ بندی کی مخالفت ہے، اسی مقصد کے ماتحت قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تشریح اور بزرگان دین کے مؤثر حالات شائع کیے جاتے ہیں، اس دور کے غلط اور گمراہ کن رجحانات پر تنقید کیجاتی ہے، اس سلسلہ میں قلم میں کبھی کبھی زیادہ تیزی آجاتی ہے، نظم کی چاشنی بھی ہے، مگر ابھی پھیکی ہے، اس رسالہ کی ایک بڑی خصوصیت غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنا، ان کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کو دور کرنا ہے، جو اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے، اس سلسلہ میں ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب ستیارتھ پرکاش کا مستقل جائزہ ہوتا ہے، رسالہ کے فاضل نگراں ہندی زبان و ادب اور ہندو مذہب سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں، اس لیے ان مقاصد کے لیے نہایت موزوں ہیں، اور اس حیثیت سے یہ رسالہ بہت مفید ہے، اور ہندوؤں میں اس کی اشاعت کی بڑی ضرورت ہے،

القاسم ۔ مرتبہ مولانا وحید الزماں کیرانوی وغیرہ، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، قیمت سالانہ صہ/ر فی پرچہ ۴۰ نئے پیسے، پتہ: دفتر القاسم دارالفکر دیوبند۔ پاکستان میں: محمد زاہد صاحب زاہد پریس قلعہ روڈ حیدر آباد سندھ۔

دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور مشہور رسالہ القاسم کے نام سے یہ نیا رسالہ جاری کیا گیا ہے، اور قدیم القاسم کی طرح دیوبند کے مسلک کا ترجمان ہے اور اسی نوعیت کے مفید مذہبی اور دینی مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں، کبھی کبھی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ (رحمہم اللہ) اکابر کے تحریری تبرکات بھی شائع کیے جاتے ہیں، دینی مذاق رکھنے والوں کے لیے یہ رسالہ مفید ہے۔

المجیب ۔ مرتبہ جناب سید یوسف رضوی و معین احمد قادری وغیرہ، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، سالانہ چندہ ؁ فی پرچہ ۸؍ پاکستان و دیگر ممالک سے ؁ پتہ: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

یہ دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا ماہانہ رسالہ ہے، جو علمی، مذہبی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں اور اکابر کے حالات اور فقہی سوالات کے جواب بھی اکثر شائع ہوتے ہیں، "لمعات بدریہ" کے عنوان سے حضرت امیر شریعت مولانا محمد بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی آثار و افاضات کا حصہ خصوصیت کے ساتھ بہت مفید ہوتا ہے۔ ادب کی چاشنی سے بھی خالی نہیں،

المجلس ۔ محمد جیلانی صاحب، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت قدرے بہتر، سالانہ چندہ ؁ فی پرچہ ۸؍ پتہ: دفتر المجلس نور بھائی لوٹیا بلڈنگ بندر روڈ کراچی ۱

نادر علمی کتابوں کی اشاعت، تبلیغ اسلام اور بعض دوسرے مفید مقاصد کے لیے ایک مخیر تاجر جناب عبد الکریم اسماعیل مرچنٹ کراچی کی سرپرستی میں ادارۂ المجلس کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے، یہ رسالہ اسی کا نقیب اور عام فہم دینی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔

دیندار ۔ اڈیٹر محمد افضل شریف صاحب، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت قدرے بہتر، زر تعاون حسب استطاعت۔ پتہ: بوئن پلی، حیدر آباد ۱۱

اس ماہنامہ کے لائق اڈیٹر کو دعوت و تبلیغ سے بڑی دلچسپی ہے، اس لیے اس میں وہ مذہبی و تبلیغی مضامین شائع کرتے ہیں جو عام مسلمانوں کے لیے مفید ہیں۔

اشراق ۔ مرتبہ جناب الیاس احمد صدیقی، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، سالانہ چندہ ؁ فی پرچہ ؍ پتہ جنرل منیجر ماہنامہ اشراق، بھگوان منزل، نزد دھوتی مارکیٹ، رنچھوڑ لائن کراچی،

یہ مذہبی رسالہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جاری کیا گیا ہے، اسی اعتبار سے اس میں اسلامی تعلیم و احکام، مجاہدین و صلحاء کے حالات اور تاریخ اسلام کے سبق آموز واقعات آسان زبان میں شائع کیے جاتے ہیں،

راہنمائے صحت ۔ مرتبہ مولانا عبد الرحیم اشرف، کاغذ، کتابت و طباعت متوسط، سالانہ قیمت ؁ فی پرچہ ۲۰ نئے پیسے، پتہ: منیجر راہنمائے صحت، پوسٹ بکس نمبر ۱۷ لائل پور

مولانا عبد الرحیم اشرف روشناس صاحبِ علم و قلم بھی ہیں اور مشہور طبیب بھی، حال میں انھوں نے یہ طبی رسالہ جاری کیا ہے، اس لیے اس میں اسی نوعیت کے مفید مضامین ہوتے ہیں، ہر شمارہ میں کسی فاضل طبیب کا مختصر تذکرہ بھی ہوتا ہے،

حاذق ۔ مرتبہ جناب حکیم حبیب اشعر صاحب، کاغذ متوسط، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۳۸ نئے پیسے، پتہ: ماہنامہ حاذق اے ۲۲۷۹ فورٹ روڈ جنوری گیٹ، لاہور۔

یہ بھی طبی ماہنامہ ہے جو ایک طبیب اور خوش مذاق ادیب جناب حبیب اشعر کی ادارت میں شائع ہوتا ہے، چنانچہ اس کے مضامین زیادہ تر طبی ہوتے ہیں، لیکن لائق مرتب ادیب بھی ہیں اس لیے طب کی دارو ے تلخ کو ادب کی چاشنی سے خوشگوار بنا دیتے ہیں،

طبی ڈائجسٹ ۔ مرتبہ حکیم محمد صلاح الدین نعمانی۔ کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ؁ فی پرچہ ۴؍ پتہ: دفتر طبی ڈائجسٹ مارکیٹ روڈ، حیدر آباد، ہندستان میں: پنڈرہ روزہ مسیحا، ۱۰ پائیدھونی روڈ بمبئی ۳

یہ بھی طبی رسالہ ہے، اس میں دواؤں اور طبی معلومات کے علاوہ حاذق طبیبوں کے مختصر حالات بھی شائع کیے جاتے ہیں۔

تعلیم القرآن ۔ از سید احمد حسین سجاد بخاری، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر،

سالانہ قیمت ۵ر فی پرچہ ۸ر پتہ: دار العلوم "تعلیم القرآن"، راجہ بازار، راولپنڈی،

یہ مذہبی ماہنامہ اوسط درجہ کے مذہبی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن غیر مفید بحثوں میں پڑنے کے بجائے اسے صرف مذہبی خدمات سے سروکار رکھنا چاہئے۔

کردار نو۔ مرتبہ جناب رانا ظفر اللہ صاحب وغیرہ، کتابت و طباعت معمولی، سالانہ چندہ ۶ر طلباء سے للعہ ر فی پرچہ ۸ر پتہ: جامعہ اسلامیہ منٹگمری پاکستان

جامعہ اسلامیہ منٹگمری کا یہ مذہبی ماہنامہ علم و مذہب کی خدمت انجام دینے کے لیے جاری کیا گیا ہے، دعا ہے کہ دیرپا ثابت ہو۔

نعیم۔ مرتبہ سید شمس الدین حسن صاحب، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۴ نئے پیسے، مسٹر جان روڈ، اندرون دودھ باولی، حیدر آباد

اس رسالہ میں مذہبی و سیاسی مسائل پر اوسط معیار کے مختصر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

پندرہ روزہ اخبارات

بہار کی خبریں۔ مرتبہ جناب ولایت علی اصلاحی، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، سالانہ چندہ ۳ر فی پرچہ ۲ر پتہ: پی اے برائے ڈائرکٹر محکمہ تعلقات عوام سکریٹریٹ، پٹنہ ۱

یہ حکومت بہار کا پندرہ روزہ اردو اخبار ہے، جس میں حکومت کے انتظامی اور تعمیری کاموں کا حال بھی درج ہوتا ہے، اور ہلکے پھلکے مفید علمی و ادبی مضامین بھی ہوتے ہیں،

مسیحا۔ مرتبہ حکیم محمد مختار صاحب اصلاحی، ڈی، آئی، ایم، ایس (علیگ) سالانہ چندہ ۳ر فی پرچہ ۵ نئے پیسے، پتہ: دفتر مسیحا، ۱۰ پائیدھونی روڈ بمبئی۔ پاکستان میں: منیجر ماہنامہ میثاق رحمان پورہ، اچھرہ، لاہور۔

اس پندرہ روزہ اخبار کا مقصد طب کی خدمت اور اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلانا ہے، اور اس میں دواؤں اور طب یونانی کے متعلق مفید مضامین شائع ہوتے ہیں، عام دلچسپی کے لیے دوسرے موضوعوں پر بھی مختصر مضامین ہوتے ہیں،

ہمدرد۔ اڈیٹر عبد الحمید دہلوی، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ۷ر فی پرچہ ۲ر پتہ: ہمدرد منزل لال کنواں دہلی ۶

یہ پندرہ روزہ اخبار دیسی طب کا ترجمان اور دیسی دواؤں، جڑی بوٹیوں اور طبی مسائل پر مفید اور دلچسپ مضامین شائع کرتا ہے، طب کی ناقدر شناسی کے اس زمانہ میں ان دونوں اخباروں کا وجود غنیمت ہے۔

بصیرت۔ اڈیٹر جناب ظہیر الدین صاحب، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، سالانہ چندہ ۶ر فی پرچہ ۴ر پتہ: دفتر پندرہ روزہ "بصیرت" ۲۶ بیرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

یہ انجمن خادم المسلمین لاہور کا پندرہ روزہ اصلاحی، دینی اور تعلیمی اخبار ہے، اور مفید اور عام فہم اخلاقی و اصلاحی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔

خاص نمبر

دعوت رحمت عالم نمبر۔ مرتبہ جناب محمد مسلم صاحب، سائز اوسط، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۷۲ قیمت ۱ ؎، پتہ دفتر دعوت ۱۵۲۵ سوئیوالان دہلی ۶

ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں مسلمان اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف شکلوں میں ذات نبوی کے ساتھ اپنی عقیدت کا ثبوت دیتے ہیں، اسی تقریب سعید کے موقع پر "دعوت" نے رحمت عالم کے نام سے یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس میں سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں پر مشاہیر اہل قلم کے مفید

مضامین جمع کیے ہیں، مضمون نگاروں میں مولانا بدرِ عالم، مولانا سید ابو الحسن علی، مولانا محمد تقی امینی، میجر جنرل اکبر خان وغیرہ جیسے مشاہیر کے نام ہیں، مضامین تقریباً سب مفید ہیں، ان میں "اسلام میں رسول کا تصور" "حضورؐ کی سماجی زندگی" "ہجرت کا دفاعی نقطۂ نظر" خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر اور لائق مطالعہ ہیں، عبد الباری ایم اے کے قلم سے شجرۂ ممنوعہ کی تحقیق بھی اہل علم کے لیے قابل توجہ ہے، سیرت کے علاوہ اصحابِ رسول کی خصوصیات، ازواجِ مطہرات اور علم حدیث وغیرہ پر بھی مفید مضامین ہیں، ایک مضمون میں آنحضورؐ کے بعد کے ۲۴ مدعیانِ نبوت کا مختصر تذکرہ ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اتنے گوناگوں اور ہمہ گیر پہلو ہیں کہ ان کا ایک نمبر تو کیا مستقل تصنیفات میں بھی احاطہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم اس نمبر میں آپ کی مختلف حیثیات اور خصوصیت کے ساتھ انقلابی حیثیت کو نمایاں کیا گیا ہے،

چٹان سالنامہ ۔ مرتبہ جناب شورش کاشمیری، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، رنگین و مصور صفحات ۲۰۰، لمبا سائز، قیمت عہ، پتہ: دفتر چٹان ۸۰ میکلوڈ روڈ، لاہور

جناب شورش کاشمیری محض تخلص کے شورش نہیں بلکہ عمل کے بھی شورش ہیں، اور ان کی زندگی عرصہ تک پُرشور رہی ہے، اس لیے ان کو تمام انقلابی لیڈروں خصوصاً مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے جو اس گروہ کے سرخیل تھے، بڑی عقیدت ہے، ان کے حالات میں وہ ایک مستقل کتاب لکھ چکے ہیں، اب ان کی یادگار میں چٹان کا یہ خاص نمبر نکالا ہے، حضرت شاہ صاحب کی شخصیت بڑی جامع، انقلاب انگیز اور اسی کے ساتھ دلآویز بھی تھی، ان کے کارنامے بڑے گوناگوں ہیں، اس نمبر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کے کارناموں پر بہت مفید اور دلچسپ مضامین ہیں جن سے ان کا اجمالی نقشہ نگاہ کے سامنے آجاتا ہے، شورش صاحب نے یہ نمبر نکال کر نہ صرف اپنا حقِ عقیدت بلکہ بہتوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے، یہ نمبر مختلف حیثیتوں سے پڑھنے کے لائق ہے۔

گل خنداں ۱۸۵۷ء نمبر ۔ مرتبہ جناب پیام شاہجہانپوری، تقطیع خورد، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۲۷۲، قیمت عہ، پتہ: کشمیری بازار لاہور (۸)، پاکستان

۱۸۵۷ء کو ہماری ملکی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کی صد سالہ جوبلی کی یادگار میں مختلف اخبارات و رسائل نے گذشتہ سالوں میں اپنے اپنے خاص نمبر نکالے، یہ نمبر بھی اسی سلسلہ کی کڑی اور مفید مضامین پر مشتمل ہے، اس میں اس انقلاب کی بعض اہم شخصیتوں بہادر شاہ ظفر، ملکہ حضرت محل، عمرہ بیگم، شیخ جلال الدین، احمد اللہ شاہ مدراسی اور جنرل بخت خاں وغیرہ کے حالات اور ان کے کارناموں کا ذکر ہے، مختلف شہروں میں انقلاب کی تفصیل بھی دی گئی ہے، شروع میں سرسید کے رسالہ اسباب بغاوت ہند کا کچھ حصہ دیا گیا ہے، اور آخر میں غالب کی زبانی انقلاب دہلی کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، "بہادر شاہ ظفر عدالت کے کٹہرے میں" اور "شیخ جلال الدین ۱۸۵۷ء کا عجیب کردار" بڑے موثر اور درد انگیز مضامین ہیں، مولانا غلام رسول مہر کے قلم سے جنگ آزادی کے دو اولو العزم سپاہیوں احمد اللہ شاہ مدراسی اور جنرل بخت خاں کے حالات کی مصوری ہے، ایک مضمون میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں، غرض یہ نمبر انقلاب ۱۸۵۷ء کے مختلف معلومات کا اچھا مجموعہ ہے، گو اس کے بہت سے معلومات نئے نہیں ہیں، پھر بھی ان سے اس انقلاب کے بعض اہم واقعات اور گوشے سامنے آتے ہیں،

سماوات ۔ مرتبہ سیفی الاعظمی صاحب، کاغذ اچھا، کتابت و طباعت معمولی، صفحات ۴۴، قیمت: ۳۰ نئے پیسے۔ پتہ دفتر سماوات نمبر ۸/۴۸ زیر گولر وارانسی

یہ ایک ہفت روزہ اخبار سماوات کا خصوصی شمارہ ہے، اس میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق دو چار مختصر مضامین اور چند نظمیں ہیں، یہ اخبار بھی ابتدائی منزل میں ہے اور اس کو ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

مجلہ سیفیہ - مصور، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت دیدہ زیب، صفحات ۲۳۶، قیمت تحریر نہیں، شائع کردہ: سیفیہ ڈگری کالج بھوپال۔

بھوپال ایک عرصۂ دراز تک علم و ادب کا گہوارہ رہ چکا ہے، اس کی بعض ادبی روایات اب بھی قائم ہیں، اس کا ایک نمونہ سیفیہ ڈگری کالج کا یہ میگزین ہے، کالج نے اس سال اردو، انگریزی اور ہندی تینوں زبانوں کے الگ الگ میگزین شائع کیے ہیں، اردو میگزین عبدالقوی صاحب دسنوی جیسے صاحبِ مذاق کی نگرانی میں مرتب کیا گیا ہے، اور مختلف ادبی، تنقیدی اور سائنسی مضامین، منظومات اور افسانوں پر مشتمل اور ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے، شروع میں ڈاکٹر گیان چند کی ایک فاضلانہ اور محققانہ تقریر دی گئی ہے، جو انھوں نے بزم ادب سیفیہ کالج کے افتتاح کے موقع پر کی تھی، عبدالقوی صاحب کا مضمون "حالی کے شخصی مرثیے" بھی اچھا مضمون ہے، تین مضامین میں انگریزی، ہندی اور عربی زبان و ادب کا مختصر تاریخی جائزہ لیا گیا ہے، مرتضیٰ علی شاد کا ڈرامہ بہت دلچسپ ہے، طلبہ نے بھی اپنی استعداد اور بساط کے مطابق بعض اچھے مضامین تحریر کیے ہیں، "ہماری بڑھتی ہوئی آبادی" البتہ اس میگزین کے مناسب نہ تھا، امید ہے کہ آئندہ بھی یہ مجلہ شائع ہو کر بھوپال کے دیرینہ روایات کو قائم رکھے گا۔

ادبی دنیا - مرتبہ مولانا صلاح الدین احمد و ڈاکٹر وزیر آغا، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۳۰۶، قیمت عہ پتہ دفتر ادبی دنیا، مال روڈ، لاہور۔

اس سے پہلے ادبی دنیا کے ایک خاص نمبر پر ریویو معارف میں نکلا ہے، اسکی اشاعت سے قبل ہی یہ دوسرا خاص نمبر بھی موصول ہو گیا تھا، یہ بھی سابق نمبر کی خصوصیات کا حامل اور ادبی، علمی، سوانحی مضامین، افسانوی خاکوں اور نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے، "بحث و نظر"، "تجزیاتی مطالعہ" اور "آپس کی باتیں" کے مستقل عنوانات اس میں بھی ہیں اور پہلے کی طرح دلچسپ بھی۔

مطبوعاتِ جدیدہ

نامعلوم انسان - از ڈاکٹر الکسس کیرل، ترجمہ محمد یوسف کوکن و محمد محی الدین، صفحات ۵۰۳، ٹائپ - پتہ مدراس یونیورسٹی، مدراس، قیمت ۱۵

یہ ڈاکٹر الکسس کیرل کی معرکۃ الآرا کتاب "مین دی ان نون" کا اردو ترجمہ ہے، اس میں مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جدید تمدن اور علوم نے انسان کو زندگی کے اصل مسائل سے حد درجہ غافل اور بے پروا کر دیا ہے، وہ جدید ترقیات اور اپنے خارج کی سطحی چیزوں میں اتنا منہمک ہو گیا ہے کہ اس کو اپنے اندر جھانکنے اور اس کے تقاضوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملتا، وہ کروڑوں میل دور خلا میں پرواز کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے، مگر اپنے جسم و روح کی قریب ترین دنیا میں وہ سفر نہ کر سکا، بقول مصنف "ہماری اندرونی دنیا کے وسیع علاقے ابتک نامعلوم ہیں، اور حقیقت میں ہماری لاواقفیت بہت گہری ہے"۔ گویا مصنف نے اس معلوم مادی انسان کے اندر کے غیر مادی نامعلوم انسان کی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے، اور اس مادی انسان کی مجبوریوں اور بے چارگیوں کی نشاندہی کی ہے، مصنف نے اس میں اس حیثیت سے بھی بحث کی ہے کہ انسان کے احساس و شعور اور اخلاق و کردار کا اس کے ظاہری حواس پر کیا اثر پڑتا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے حقیقت شناسی اور ایمان افروز بصیرت حاصل ہوتی ہے، ترجمہ کی زبان نہایت صاف اور شستہ ہے۔

صوفیائے پنجاب - از اعجاز الحق قدوسی، صفحات ۷۰۰، کتابت و طباعت عمدہ

ناشر سلمان اکیڈمی ۔ قیمت ۱۵ روپے۔

ہندوستان میں دعوت دین اور اشاعت اسلام کا سب سے زیادہ کام صوفیاے کرام کے ذریعہ انجام پایا، اور موجودہ دور میں ہندوستان میں اسلام کو زندہ رکھنے اور اس کو ترقی دینے میں بھی ان بزرگوں کی کوشش شمع راہ ہدایت ہو سکتی ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے حالات اور خصوصیت سے ان کے داعیانہ کارناموں پر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کیا جائے۔ اعجاز الحق صاحب قدوسی قابل تحسین ہیں کہ انھوں نے اس سلسلہ میں کئی قیمتی اور ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں ایک صوفیاے پنجاب بھی ہے۔

ساحلی علاقوں کے بعد سندھ و پنجاب ہی دو ایسے صوبے ہیں جہاں سب سے پہلے مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہوئیں، اور ان کے ذریعہ دین و ایمان کی روشنی پھیلی، اور عرب و عجم کے بیشمار علما و صوفیا یہاں آکر متوطن ہوئے، اور خود یہاں بھی بڑے بڑے علما و صوفیا پیدا ہوئے، انہی میں شیخ علی ہجویری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، بابا فرید گنج شکر، اور زکریا ملتانی جیسی برگزیدہ ہستیاں ہیں، جنھوں نے تنہا ایک ایک جماعت کا کام کیا ہے، شیخ علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب کئی صدی سے عرب و عجم میں ہر جگہ مقبول و معتمد علیہ ہے، ان بزرگوں کی صحبت ہی نہیں بلکہ ان کے ملفوظات اور مکتوبات و حالات میں بھی ایسی تاثیر ہے کہ آج بھی ان کے پڑھنے سے ایمان و یقین میں زیادتی اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ان بزرگوں کے دم قدم سے نہ صرف ظاہری طور پر اسلام باقی رہا بلکہ ان کی وجہ سے اسلام کی وہ اخلاقی و روحانی زندگی اور اس کی تاثیر بھی زندہ و قائم رہی جو نبی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ورا ثتہً و امانتہً ملی تھی، اس کتاب میں پنجاب کے ۳۰ صوفیا کے حالات اور تعلیمات کی تفصیل ہے، کتاب پوری محنت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ بات عرض کر دینی بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ

حالات و واقعات اور کشف و کرامات کے نقل کرنے میں انتخاب اور موجودہ مذاق کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے، اسی عدم انتخاب کی وجہ سے صوفیہ کی زندگی کی بہت سی خوبیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، خاص طور پر ان کے گانے و سماع کے قصوں کے نقل کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، یہ بھی تعجب ہے کہ یہ کتاب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تذکرے سے خالی ہے اور مصنف نے کوئی معذرت بھی نہیں کی ہے، حالانکہ سرہند میں بیٹھ کر حضرت مجددؒ نے نہ صرف پنجاب کو بلکہ پورے ہندوستان کو متاثر کیا، ان باتوں کے باوجود کتاب بار بار مطالعہ کے لائق ہے۔

تواریخ عجیب - از مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری، مرتبہ محمد ایوب صاحب قادری صفحات ۳۰۴، کتابت و طباعت متوسط، ناشر سلمان اکیڈمی، حق نشان نمبر ۳ نیو کراچی، ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی ۵، قیمت للعہ

حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جن بزرگوں نے انکی تحریک کو زندہ رکھا اور اس کے لیے ہر طرح کی سختیاں جھیلیں اور قربانیاں دیں ان میں ایک ممتاز شخصیت مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسریؒ کی بھی ہے، مولانا محمد جعفر تھانیسری پر انبیلا سازش کیس کے سلسلہ میں انبالہ میں مقدمہ چلا، ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو ان کی گرفتاری ہوئی اور ۸ ماہ بعد ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو ان کو پھانسی کی سزا ہوئی، چیف کورٹ میں پھانسی کی اپیل کی گئی، اس اثنا میں وہ متعدد جیلوں میں رہے، ۱۶ ستمبر ۱۸۶۴ء کو چیف کورٹ نے ان کی پھانسی کی سزا کو حبس دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل کر دیا، وہ تقریباً بیس برس جزائر انڈمان میں رہے، اور وہاں طرح طرح کی صعوبتیں اٹھائیں، ۱۸۸۲ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ رپن جو لبرل جماعت سے تعلق رکھتے تھے، "وہابی کیس" کے تمام ملزمان کو رہا کر دینے کا فیصلہ کیا جس کے تحت مولانا محمد جعفر بھی رہا ہوئے، اور زندہ وطن واپس آئے، اور ۱۹۰۵ء تک بقید حیات رہے، رہائی کے بعد دوستوں کے اصرار سے انھوں نے متعدد

قیمتی کتابیں لکھیں، انہی میں ایک تواریخ عجیب بھی ہے، مولانا کی ان کتابوں سے تحریک جہاد کے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، جن کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں ملتا، اس کتاب میں انھوں نے جزائر انڈمان کی بیس سالہ زندگی کے حالات لکھے ہیں، گویا یہ ان کا روزنامچہ ہے، اس تحریک کے سلسلہ کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کے مطالعہ سے بھی ایمان میں تازگی اور شوق جہاد پیدا ہوتا ہے۔ سید صاحب کی تحریک کے ذریعہ دین و ایمان کے ساتھ اردو ادب کو جو غیر معمولی فائدہ پہنچا، اس کا ثبوت یہ کتاب بھی ہے، یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپیں اور گھر گھر پڑھی گئیں، یہ کتاب اس سے پہلے کئی بار شائع ہو چکی ہے، مگر اس کی اشاعت کا اتنا اہتمام اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، اس کے لیے مرتب اور ناشر دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

آئینۂ سخن فہمی۔ از سید مسعود حسن رضوی، صفحات ۱۵۶، پتہ کتاب نگر دین دیال روڈ لکھنؤ، قیمت ۲ عہ

سید مسعود حسن کی مشہور کتاب ہماری شاعری پر جوہر آئینہ اور منظر آئینہ کے نام سے جو تنقیدیں کی گئی ہیں ان کا جواب رضوی صاحب نے مختلف اوقات میں متعدد مضامین کے ذریعہ دیا تھا، انہی مضامین کو انھوں نے اب کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے اور جوہر آئینہ اور منظر آئینہ کی مناسبت سے اس کا نام آئینۂ سخن فہمی رکھ کر خوش مذاقی کا ثبوت دیا ہے، اس مختصر تبصرہ میں تنقید اور جواب تنقید کا تجزیہ مشکل ہے، دونوں نقاد و صاحب نظر ادیب ہیں، اس لیے اس میں بڑی دلچسپ اور دقیق بحثیں آگئی ہیں، جن سے اصحاب ذوق لطف اندوز ہو سکتے ہیں، خصوصاً شعراء اور ادیبوں کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

شکنتلا۔ از ساغر نظامی، صفحات ۲۰۰، کتابت و طباعت اعلیٰ، ناشر ادبی مرکز ۳۵۹ پنڈارہ روڈ، نئی دہلی ۱ ، قیمت ۱۳ عہ

کالیداس کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین شعراء میں ہے، شکنتلا ناٹک ان کا ادبی شاہکار ہے۔ یورپ و ہندوستان کی تقریباً ہر زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، اردو میں بھی اس کا ترجمہ اس سے پہلے ہو چکا ہے، اب ساغر نظامی نے اس کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، ترجمہ خود بڑا مشکل کام ہے، پھر نظم میں ترجمہ کرنا اور بھی دشوار ہے، مگر ساغر نظامی صاحب نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی ہے،

دھڑکنیں۔ از ذکی کاکوروی، صفحات ۴۴، کتابت و طباعت معمولی، پتہ ذکی کاکوروی ۴۲ وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ۔

یہ ایک نوجوان شاعر ذکی کاکوروی کا مجموعۂ کلام ہے۔ ابھی ان کے کلام میں فکر و خیال کی بلندی اور گہرائی تو نہیں پیدا ہوئی مگر صلاحیت ہے، اور اب بھی اچھی خاصی غزلیں کہہ لیتے ہیں، اگر انھوں نے اپنا مطالعہ اور مشق جاری رکھی تو آگے چل کر ایک کامیاب شاعر ہو سکتے ہیں، ان کے ابتدائیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نثر پر پوری قدرت ہے، اور ترقی پسندی کے دام تزویر سے بھی انھوں نے اپنا دامن بچائے رکھا ہے، جو فال نیک ہے۔

جذبات حیدر۔ مرتبہ سرشار گسمنڈوی، صفحات ۲۲۴، کتابت و طباعت متوسط ناشر دارالاشاعت تعمیر ادب ۱۸۱ حیدر گنج قدیم، لکھنؤ۔

دکن کے ایک معروف شاعر حیدر علی خاں حیدر مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے، جسے سرشار گسمنڈوی صاحب نے مرتب کیا ہے، یہ مجموعہ ان کی زندگی ہی میں مرتب ہو چکا تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کی طباعت و اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی، حیدر نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی اور دونوں اصناف میں بڑی حد تک کامیاب ہیں، ان کے کلام میں لفظی و معنوی دونوں خوبیاں ملتی ہیں، روانی و برجستگی کے ساتھ فکر و نظر کی بلندی، جذبات کی فراوانی اور درد و سوز کی کیفیتیں کثرت سے ملتی ہیں، شروع میں سرشار صاحب اور عبد الغفور صاحب جیسے قدر دانوں نے ان کی شخصیت و شاعری کا تعارف کرایا ہے، جس سے ان کی

عظمت کا اندازہ ہوتا ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق میں یہ مجموعہ پسند کیا جائے گا۔

امن و آزادی کی جد و جہد۔ از خروشچوف، صفحات ۳۸۶

ستمبر ۱۹۶۰ء میں خروشچوف نے امریکہ کا دورہ کیا تھا، اور اسی ضمن میں انھوں نے اقوام متحدہ کے پندرہویں اجلاس کو بھی خطاب کیا تھا، جس میں امن اور ترک اسلحہ کے مسائل زیر بحث لائے تھے، امن و سکون موجودہ دور کی سب سے کمیاب جنس ہے، اس وقت مغربی ممالک کے رہنما اور خاص طور پر روس کے وزیر اعظم ہر دو امن کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں، لیکن جس وقت ان کی زبان پر یہ نعرہ ہوتا ہے، اسی وقت کسی قوم کو غلام بنانے کے جارحانہ منصوبے بھی بن رہے ہوتے ہیں، کاش اس نفاق سے نکل کر واقعی امن و سکون کی جد و جہد ہوتی، تو موجودہ مادی ترقیاں انسان کے لیے رحمت ثابت ہوتیں، بہر حال اس کتاب سے خروشچوف کے نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے، یہ کتاب پروپیگنڈے کی خاطر شائع کی گئی ہے، اس لیے اسکی قیمت بھی بہت کم ہے۔

قولِ طیب۔ از مولانا الیاس برنی مرحوم۔ مرتبہ عبد الحلیم صاحب الیاسی ایم اے صفحات ۳۹۶

کتابت و طباعت معمولی، مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ، حیدر آباد دکن، قیمت للعہ

مولانا الیاس برنی مرحوم نہ صرف ایک عالم، کامیاب مصنف، معاشیات کے ماہر اور خوش مذاق شاعر تھے بلکہ وہ بادۂ تصوف کی لذت آشنا بھی تھے، اسی کا اثر تھا کہ ان کی کوئی بات حکمت و موعظمت سے خالی نہیں ہوتی تھی، آسمان شہرت و جاہت کی بلندیوں پر ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی عملی زندگی میں ایک فقیر منش تھے، اس کتاب میں مولانا کی انہی پُر موعظت باتوں اور ان کے اخلاق و کردار کی جھلکیوں اور اعتدال پسندانہ طرز عمل کی تفصیل کی گئی ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان اور نا مسلمان کے مطالعہ کے لائق ہے۔

"م - ج"